الاکسیر فی اثبات التقدیر

ترجمہ

التنویر فی اسقاط التدبیر

یعنی

تدبیر و تقدیر

مؤلف

زبدۃ العارفین حضرت شیخ ابن عطاء اسکندری رحمہ اللہ

مترجم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مع حواشی و ملفوظات

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون 540513-519240

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب..................تدبیر و تقدیر

تاریخ اشاعت..............ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

ناشر...... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت...........سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان --- ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور --- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ --- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور --- دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD BOLTON BL13NE (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تعارفی کلمات

بعض اوقات انسان کسی بات کو کانوں کے ذریعے سنتا ہے اور نظر انداز کر دیتا ہے لیکن اگر ایک ہی بات مسلسل کانوں سے ٹکراتی رہے تو وہ بات کانوں کے ذریعے دماغ میں سرایت کر جاتی ہے اور دماغ میں گھوم کر دل میں پہنچتی ہے کچھ عرصہ بعد وہی بات دل میں ایسے جگہ وقرار پکڑ لیتی ہے کہ پھر ساری زندگی اس کے مطابق انسان اپنے اعمال کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ وہ بات جو دل میں اتر چکی ہوتی ہے اسی سے عقائد اور نظریات جنم لیتے ہیں۔ اسی کے تحت پروگرام اور زندگی کے امور تشکیل پاتے ہیں۔

اسلامی عقائد اپنے دلائل اور زندگی کے نشیب وفراز میں مکمل راہنما ہونے کی حیثیت سے پتھر پر لکیر سے زیادہ مستحکم مقام رکھتے ہیں۔ اسلام کے انہی ٹھوس عقائد میں عقیدہ تقدیر ہے مرور زمانہ کیساتھ ساتھ اس عقیدہ کے بارہ میں عوام الناس خلط مباحث کا شکار ہو کر یا تو تدبیر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں یا پھر اس میں اس قدر غلو سے کام لیتے ہیں کہ راہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں۔

اسلام میں تقدیر کا حقیقی مفہوم۔ تدبیر کی شرائط دونوں میں امتیازی خطوط اور اس موضوع

سے متعلق تمام امور پر مشتمل کتاب "التنویر فی اسقاط التدبیر" حجۃ الاولیاء اکمل العارفین شیخ ابن عطاء اسکندری رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی تھی جسے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حضرت سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے حکم سے اردو میں منتقل فرمایا اور اس کا نام الاکسیر فی اثبات التقدیر تجویز فرمایا جس میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے حواشی' ملفوظات اور اکابر علماء کی نظر ثانی نے اس کی جامعیت و افادیت کو دوچند کر دیا ہے۔فجزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین الی یوم الدین۔

یہ کتاب رجب ۱۳۶۵ھ میں مکتبہ اشرف العلوم دیوبند انڈیا سے تقریباً پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ پھر کتب خانہ مجودیہ دیوبند سے اور خدا جانے کہاں کہاں سے شائع ہوئی۔

زیر نظر نسخہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تصحیح و مراجعت مکتبہ اشرف العلوم کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق کی گئی ہے جس کی صحت پر کامل اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

آج کی دوڑتی زندگی میں جبکہ انسان تقدیر اور مسبب الاسباب پر کامل یقین کی بجائے اپنی تدابیر' اسباب اور مادی وسائل کے پیچھے خود کو تھکا رہا ہے ایسے حالات میں زندگی کو راہ اعتدال پر لانے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ زندگی کے ہر شعبہ سے منسلک حضرات کیلئے ان شاء اللہ کافی مفید ثابت ہوگا۔

اللہ پاک حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ انکے مشائخ اور صحبت یافتگان سب کو کروٹ کروٹ اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور ہمیں انہی علماء حق کی معیت میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

مؤلف و مترجم کے تجویز کردہ ناموں کا لحاظ کرتے ہوئے اس مجموعہ کا آسان نام "تقدیر و تدبیر" رکھا جاتا ہے اللہ پاک اس کو اپنے فضل سے شرف قبولیت سے نوازیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہٗ

جمادی الاول ۱۴۲۶ھ جون 2005ء

خدا در انتظار حمد ما نیست　　محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس　　محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیان کرد　　بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را　　الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

امابعد! عرض کرتا ہے یہ احقر خدام آستانہ فیض کاشانہ امام العارفین مقدام الراسخین سراج الاولیاء تاج الکبراء زبدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ سید السادات جنید الزماں بایزید الدوران سیدی وسندی ومعتمدی ومستندی ذخیرہ یومی وغدوی مکان الروح من جدی حضرت مرشدنا ومولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ المہاجر التھانوی مولداً والمکی موردا الفاروقی نسباً والحنفی مذہباً الصوفی مشرباً ادامہ اللہ تعالیٰ کاسمہ الشریف امداداً من اللہ علی العباد وافاضۃ علی طالبی الرشاد، کہ ہمارے زمانے میں اور ہمارے ملک میں اکثر لوگ تحصیل دنیا پر اس قدر گرے ہیں ہیں کہ حلال و حرام میں بھی تمیز نہیں کرتے اور اوامر و نواہی کی خبر نہیں رکھتے کارروائی پر نظر ہے نہ حساب کی خبر نہ عقاب کا خطرہ ہے منشاء اس انہماک استغراق کا یہی ہے کہ تقدیر پر اعتماد نہیں پھر ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کو عقیدۃً حق جانتے ہیں مگر پست ہمتی سے ظاہر کو باطن کے موافق نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہیں کہ اس مسئلہ تقدیر ہی کو فسانہ بے معنی سمجھتے ہیں اور ایسے اعتقاد والوں پر جتنے ہیں یہ خیال باطل مدعیان تہذیب و روشنی جدید کا جمایا ہوا ہے جنہوں نے اس کے علاوہ دین میں اور بھی بہت سا فتور پھیلایا ہے، ایک روز حضور پرنور ممدوح الذکر دام ظلہم کی محفل قدوس و مجلس انس میں کہ منبع فیوض و انوار و معدن برکات و اسرار ہے، منجملہ افادات اس مضمون کا بھی تذکرہ ہوا از آنجا کہ مقبولان الٰہی مظہر اتم صفت رحمت کے ہوتے ہیں، حضور ممدوح دام ظلہم کو براہ شفقت و

دل سوزی خیال ہوا کہ ان غریقان بحر غفلت کو ساحل ہدایت پر لانے کی کوئی صورت نکالی جائے ارشاد فرمایا کہ کتاب تنویر فی اسقاط التدبیر تصنیف حجۃ الاولیاء ابن عطا صاحب حکم قدس سرہ اس مبحث میں خوب ہے جس کا ہر مضمون مدلل بدلائل عقلیہ والنقلیہ وکشفیہ ہونے کے سبب سے مقبول ومرغوب ہے، اگر اردو زبان میں اس کا ترجمہ ہوجائے تو نفع اس کا عام اور فیض اس کا تام ہو اور عجب نہیں کہ مدعیان مذکور بھی بشرط فہم وانصاف وترک تعصب واعتساف راہ راست پر آویں ورنہ اور سادے مسلمان تو اس اعتقاد فاسد اور خیال کاسد سے محفوظ رہیں گے اور کسی کے دام میں نہ پھنسیں گے اور تیر نیز اس سے طلباء کو علم اور علماء کو عمل اور عابدوں کو معرفت اور عارفوں کو حال اور اہل حال کو مقام اور اہل مقام کو کمال اور اہل کمال کو دولت بے زوال نصیب ہوگی اور اس نادان ناکارہ کو جو خاص واسطے استفادہ معانی وبرکات کے حضور میں ہند سے چند ماہ کا آیا ہوا تھا اور اس وقت حاضر محفل فیض منزل تھا ترجمے کے لئے فرمان ہوا جس پر میں باوجود اپنی نااہلیت کے امتثالا لامر مستعد بدل وجان ہوا، روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتا اور حضور میں سنا دیتا، یہاں تک کہ بہت تھوڑی مدت میں بحمد اللہ اتمام کو پہنچا اور اکسیر فی اثبات التقدیر نام رکھا گیا میری بد استعدادی وکاہلی پر اس امر کا سرانجام ہونا محض حضور دام ظلہم کا فیضان ہی ہے:

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں　　مصلحت را تہمتے بر آہو چین بستہ اند

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

بعض مواقع پر تفصیل اجمال یا توضیح اغلاق کیلئے ترجمے سے زائد متن میں کچھ بڑھایا گیا اس کے شروع پر حرف ف اور اس کے ختم پر حرف ت لکھ دیا گیا اور کہیں کہیں حاشیہ پر حضور دام ظلہم کے بعض ارشادات جو وقت استماع ترجمہ فرماتے جاتے تھے لکھ کر ختم پر لفظ ملفوظ لکھ دیا اور بعض جگہ جو از خود کچھ لکھا اس کے بعد مترجم لکھدیا اور اس ترجمے میں حضرات اخوان الطریقت وخلان الحقیقت جناب مولوی محب الدین صاحب پشاوری وجناب مولوی سید حمزہ صاحب دہلوی وجناب مولوی ابو احمد صاحب بھوی وجناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلی سلمہم اللہ تعالیٰ وکرمہم ونعمہم سے مدد ملی خصوصاً جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد[1] فرمائی جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

---

[1] بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بنیاد ترجمے کی مولوی صاحب ہی نے ڈالی اور احقر نے صرف دیوار یں اٹھادیں والفضل للمتقدم۔ (مترجم)

پھر یہ ترجمہ حضرت تاج الادباء سراج الفضلاء مولانا ذوالفقار علی صاحب رئیس دیوبند ضلع سہارنپور مدظلہ العالی کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیج دیا گیا، مولانا ممدوح کے نظر فرمانے کے بعد اب یہ ترجمہ انشاء اللہ تعالیٰ قابل اطمینان ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی لغزش پائی جائے وہ اس نادان کی طرف منسوب سمجھنا چاہئے، اور ناظرین سے امید ہے کہ جب اس کو مطالعہ فرمائیں تو بزرگان مسبوق الذکر[1] کو اور اس احقر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

یا الٰہی اس ترجمہ کو مقبول فرما کر ذریعہ ہدایت بنا اور ہم کو بھی توفیق عطاء فرما، آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ وعترتہ و اولیاء امتہ اجمعین ابدالا بدین ودھر الدھرین۔

عرض ضروری چونکہ تفصیل بعد الاجمال خوب دل نشین اور ذہن میں جاگزیں ہوتی ہے اس لئے کتاب ہذا کا خلاصہ مضمون اجمالاً اول لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل فہم تکرار سے محظوظ ہوں گے اور کم فہم غلط فہمی سے محفوظ رہیں گے، وہو ہذا

جاننا چاہئے کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی مگر پھر بھی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں سے کہ بعض ان میں متعلق باسرار وحقائق ہیں تدبیر مشروع ہوئی مگر چند شرائط کے ساتھ مشروط کی گئی کہ اصول ان کے سات امر ہیں۔

اول — وہ تدبیر شریعت کے خلاف نہ ہو۔

دوم — تدبیر پر بھروسہ نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رہے۔

سوم — اگر دنیا کی تدبیر کرے اس میں آخرت مقصود ہو۔

چہارم — تدبیر دنیا میں اس قدر غرق نہ ہو کہ اللہ سے اور اس کے احکام سے غفلت ہو جائے۔

پنجم — صلحاء و علماء کی صحبت ترک نہ کرے تاکہ کدورت اسباب اثر نہ کرے۔

ششم — حقوق شرعی ادا کرتا رہے۔

ہفتم — ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے ضرورت سے زائد جمع نہ کرے یہ تو ہم نے درخت شمار کرا دیئے اب بسم اللہ کر کے باغ میں چلو اور علوم وحکم کے پھل نوش جان کرو آگے ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ (حضرت مولانا) اشرف علی (صاحب تھانویؒ)

---

[1] یعنی حضرت پیر ومرشد مدظلہ ومصنف تنویر واخوان طریقت ومولانا ذوالفقار علی صاحب۔ (مترجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوں فرماتے ہیں حضرت امام عارف پیشوا محقق تاج العارفین لسان المتکلمین امام زماں یکتائے دوراں حجۃ السلف امام الخلف قدوۃ السالکین حجۃ المتقد مین تاج الدین ابو الفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہ سکندری اللہ جل شانہ ان سے خوش ہو اور ان کو خوش کرے اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان کی ذات مقدسہ سے نفع بخشے بے شک وہ سب کی سنتا ہے اور سب کے قریب ہے اور سب کی دعا قبول کرتا ہے حمد کے قابل اللہ شانہ ہے جو کہ خلق اور تدبیر میں یکتا ہے حکم اور تقدیر میں یگانہ ہے ایسا بادشاہ جس سے کسی کو مماثلت نہیں کسی کو اس کی سی سماعت و بصارت نہیں اس کی سلطنت کو حاجت وزیر نہیں ایسا مالک ہے جس کے ملک سے باہر کوئی صغیر و کبیر نہیں کمال وصف میں کوئی اس کا شبیہ و نظیر نہیں، کمال ذات میں امکان تمثیل و تصویر نہیں، ایسا علیم کہ اس سے مخفی کسی کا مافی الضمیر نہیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ یعنی بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا حالانکہ وہ بڑا راز دان اور نہایت خبردار ہے وہ ایسا عالم ہے جو ہر امر کی ابتداء اور انتہا سے باخبر ہے وہ ایسا سننے والا ہے جس کے آگے چیخنا اور چپکے سے بولنا برابر ہے، وہ رزاق ہے تمامی مخلوقات کا روزی رساں ہے، وہ قیوم ہے اور سب کا ہر حالت میں ذمہ دار ہے وہ بخشش کرنے والا ہے اور اس نے اپنے کمال احسان سے روحوں کو وجود حیات بخشا ہے وہ قدرت والا ہے اور وہ اپنے کمال قدرت سے مخلوقات کو پھر دوبارہ زندہ کرے گا، وہ بڑا حساب کرنے والا ہے اور ان کو بدلہ دے گا جس روز وہ اچھے اور برے عمل لے کر اس کے روبرو آویں گے پس ہر عیب سے پاک وہی ذات مقدس ہے جس نے بندوں پر ان کے وجود سے پہلے انعام فرمایا اور ان کو ہر حال میں رزق پہنچاتا ہے خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں اور اپنے کرم سے ہر موجود کی مدد کی اور اس کے وجود باوجود کی مدد سے تمام عالم کے وجود کی بقاء ہے اور زمین پر اس کی حکمت کا ظہور ہے اور آسمان پر اس کی قدرت کا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ

سوا اس یکتا کے کوئی قابل عبادت نہیں اور کوئی اس کی شرکت کا مستحق نہیں اور ایسی گواہی دیتا ہوں جیسے تابعدار اور حکم کا ماننے والا بندہ دیا کرتا ہے اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ہیں اور رسول سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور اللہ جل شانہ نے ان کو اپنے کمال فضل وعطا سے مخصوص فرمایا ہے ابتدا بھی انہیں سے ہے اور انتہاء بھی انہیں پر ہوئی اور یہ فضیلت اور کسی میں نہیں اور جس روز اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو فیصلہ کرنے کے واسطے جمع کرے گا اس روز وہ سب کی شفاعت فرمائیں گے اللہ پاک کی رحمت ان کی ذات مقدس اور جمیع انبیاء اور ان کے آل واصحاب پر نازل ہو جو کہ آپ کی محبت کو مضبوط تھامے ہوئے ہیں اور اللہ جل شانہ بہت سا سلام بھیجے بعد حمد وصلوٰۃ کے اے بھائی اس بات کو جان لے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے عاشقوں میں کر دے اور تجھے اپنا قرب نصیب کرے اور اپنے مستوں کی محبت کی چاشنی تجھے چکھائے اور ہمیشہ تجھ کو اپنے وصل میں رکھ کر اعراض اور روک ٹوک سے مطمئن کر دے اور اپنے ان بندوں میں سے تجھے کر دے جن کو اس نے پیام سلام کے ساتھ مخصوص فرمایا اور ان کو اپنے انوار تجلیات سے مشرف فرما کر دل جوئی کی جب کہ یہ سمجھ کر شکستہ دل ہو گئے تھے کہ ان آنکھوں سے دیدار نہیں ہو سکتا اور ان کے لئے دروازے باغ قرب کے کشادہ فرما کر ان کے قلوب پر اپنے قرب کی خوشبودار ہوائیں چلائیں اور ان کو تقدیر ازلی کا مشاہدہ کرا دیا ان لوگوں نے اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کر دیا اور ان لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارے کام میں ہماری مہربانی پوشیدہ ہوا کرتی ہے اس کے معلوم ہونے سے انہوں نے جھگڑا اور عناد چھوڑ دیا اور اس کے حکم کے مطیع ہو گئے اور ہر کام میں اس پر بھروسہ کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ مقام رضا جب نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہے اور جان گئے کہ کھلم کھلا بندہ ہونا جب میسر آتا ہے کہ اس کی تقدیر کو مان لیا جائے پس ایسے بندے اغیار اور کدورت سے محفوظ رہتے ہیں جیسے کسی نے کہا ہے:

حوادث کی پہنچ ان تک کہاں ہے — کہ انکے ہاتھ میں اس کی عناں ہے

ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم جاری ہوتے ہیں اور وہ لوگ اس کی عظمت کے آگے دبے رہتے ہیں اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکائے رہتے ہیں جیسے کسی کا قول ہے:

تصرف اس کے گو جاری ہیں تجھ پر — مگر دل نے جھکایا ہے ترے سر

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ کی جناب میں رسائی چاہے تو اس کو لازم ہے کہ دروازہ سے آئے (دروازہ تن بہ تقدیر ہوتا ہے) اور رسائی کے سامان پیدا کرے اور سب سے زیادہ تر چھوڑنے اور منہ موڑنے کے قابل تدبیر ہے جو اصل میں مقابلہ تقدیر ہے پس میں نے یہ کتاب اسی امر کے بیان میں اور اس میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے تصنیف کی اور تنویر فی اسقاط التدبیر اس کا نام رکھا تاکہ اس کا اسم اس کے مسمی کے موافق ہو جائے اور اس کی عبارت اس کے مطلب کے مطابق (یعنی تدبیر کے چھوڑنے کی خوبی کا روشن کر دینا) اور اللہ سے درخواست ہے کہ اس تصنیف میں اخلاص تام نصیب کرے اور اپنے فضل عام سے قبول فرمائے اور خاص و عام کو اس سے نفع دے بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ہر شیء پر قادر ہے اور قبول فرمانے کی قابلیت رکھتا ہے، اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

قسم ہے تیرے رب کی وہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک اپنے اختلافات میں تجھ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہ بنائیں اور پھر تیرے حکم سے دل تنگ نہ ہوں اور اس حکم کو تسلیم کریں اور فرمایا[2] اللہ تعالیٰ نے کہ تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ مختار ہے مخلوق کو کچھ اختیار نہیں اللہ جل شانہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

اور فرمایا[3] اللہ تعالیٰ نے کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس خدا ہی کی ہے دنیا اور آخرت اور نبی[4] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو خدا کو رب بنا کر اور اسلام کو دین ٹھہرا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی سمجھ کر راضی ہوا اس نے ذائقہ ایمان چکھ لیا اور نبی[5] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ سے راضی رہ کر اس کی عبادت کر اور اگر راضی رہنے کی تجھے قدرت نہ ہو تو نامرغوب طبع پر صبر کرنے میں بھی بڑی خیر ہے اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں تدبیر کے ترک

---

[1] آیت یہ ہے کہ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (مترجم) [2] آیت یہ ہے کہ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرة سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ (مترجم) [3] آیت یہ ہے للانسان ما تمنیٰ فللّٰہ الآخرة والاولی۔ (مترجم) [4] حدیث یہ ہے ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا و بمحمد نبیاً (تنویر) [5] حدیث یہ ہے اعبد اللہ بالرضی فاذلم تستطع فطی الصبر علی ماتکرہ خیر کثیر۔ (تنویر)

کرنے اور تقدیر سے نہ جھگڑنے پر دلالت کرتی ہیں۔ خواہ صراحۃً یا اشارۃً اور اہل معرفت نے فرمایا ہے جو شخص تدبیر نہیں کرتا اس کے لئے تدبیر ادھر سے ہوتی ہے[1]۔

اور شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تدبیر ضروریات سے ہے تو یہی تدبیر کرو کہ تدبیر کو چھوڑ دو اور انہوں نے فرمایا ہے کہ کسی کام میں اپنی پسند کو دخل نہ دے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینا پسند کرے اور اپنی پسند سے بھاگ اور اپنے اس بھاگنے سے بلکہ ہر شیء سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بھاگ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے، پس پہلی آیت جو ہے اعنی **فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم** وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان حقیقی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر حاکم بنا دے قول میں اور فعل میں اور کسی شیء کے اختیار کرنے اور ترک کرنے میں اور محبت میں اور بغض میں اور یہ ارشاد احکام تکلیفی اور احکام تصریفی دونوں کو شامل ہے دونوں میں اتباع وتسلیم واجب ہے اور احکام تکلیفی سے مراد شریعت کے اوامر ونواہی ہیں جو افعال عباد سے متعلق ہیں اور احکام تصریفی سے مراد وہ امور ہیں جو اپنے مقصود کے خلاف وارد ہوتے رہتے ہیں پس اس سے ظاہر ہوا کہ حقیقت ایمان دو امروں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حکم ماننا دوسرے اس کے قہر کے آگے گردن جھکا دینا پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ اس شخص کے ایمان کی نفی کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانے یا مانے مگر آپ کے حکم سے دل میں تنگی پائے بلکہ اس نفی پر اپنی اس ربوبیت کی قسم بھی کھائی جو جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ از راہ رعایت وعنایت کے خصوصیت رکھتی ہے، کیونکہ **فلا والرب** نہیں فرمایا بلکہ **فلا وربک** فرمایا پس اس میں قسم بھی اور جس بات پر قسم کھائی ہے وہ بھی موکد ہوگئی کیونکہ اللہ سبحانہ جانتا ہے کہ دلوں میں کیا چیز بسی ہوئی ہے یعنی غلبہ اور نصرت کی محبت ہر حال میں خواہ اپنا حق اور پر ہو یا اور کا اپنے اوپر اور اس کلام میں اظہار اس امر کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ جل شانہ کی کیسی کچھ عنایت ہے کیونکہ آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کے فیصلے کو

---

[1] کارساز مابہ کارساز کار ما..... فکر ما در کار ما آزار ما (مترجم)

اپنا فیصلہ قرار دیا پس بندوں پر آپ کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا واجب کر دیا اور خدائی پر ایمان لانا مقبول نہیں فرمایا تاوقتیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نہ مانیں کیونکہ جب آپ کی صفت میں یہ فرمایا کہ آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہے پس آپ کا حکم حکم الٰہی ہے اور آپ کا فیصلہ۔ فیصلہ خداوندی ہے جیسا کہ فرمایا ہے جو لوگ[1] تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اس قول کو موکد فرمانے کے لئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے اور اس آیت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت قدر و عظمت امر کی طرف ایک دوسرا اشارہ ہے اور وہ یہ قول ہے فلا وربک اس میں اللہ جل شانہ نے اپنی ذات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، جیسے کہ دوسری آیت میں کھٰیٰعص ٥ ذکر رحمة ربک عبده زکریا پس حق تعالیٰ نے اپنے نام پاک کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کیا اور زکریا علیہ السلام کے نام مبارک کو اپنے نام مبارک کی طرف مضاف کیا تاکہ بندے دونوں مرتبوں کا فرق سمجھ لیں پھر اللہ جل شانہ نے تحکیم ظاہری پر اکتفاء نہیں کیا کہ اس سے مسلمان بن جائیں بلکہ شرط یہ لگائی کہ تنگ دلی بھی نہ ہونے پائے خواہ حکم ان کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف اور دلوں کے تنگ ہونے کا سبب یہی ہے کہ انوار سے خالی اور اغیار سے پُر ہوتے ہیں اور مومن ایسے نہیں ہیں کیونکہ نور ایمان سے ان کے دل لبریز ہیں پس ان میں وسعت ہے اور انشراح اور خدائے واسع علیم کے نور نے ان کو وسعت والا بنایا ہے اور اللہ کے فضل عظیم نے ان کی مدد فرمائی اس کے احکام کے تسلیم کو تیار ہیں اور ہر حال میں اس کی رضا پر راضی۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی بندے سے اپنے حکم کی سہار کرائے تو اس کو اپنے انوار وصف سے خلعت عطاء فرماتا ہے پس حکم الٰہی پیچھے نازل ہوتا ہے اور اس سے پہلے انوار نازل ہو لیتے ہیں جن سے وہ شخص اپنے رب کا بن چکا ہے اپنا نہیں رہا پس وہ اس حکم کی گرانی وشدت پر قوی وصابر ہو جاتا ہے، بات یہی ہے کہ

---

[1] آیت یہ ہے کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (مترجم)

انوار وارد ہوتے ہیں اور تقدیر کی برداشت کرادیتے ہیں خواہ یوں کہو کہ فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے فہم آ کر ان سے احکام قبول کرادیتی ہے خواہ یوں کہو کہ عطائیں آتی ہیں اور بلاؤں کو اٹھوا دیتی ہیں خواہ یوں کہو کہ اس کی خوبی اختیار کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تقدیر کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، خواہ یوں کہو کہ اس کے علم کا یقین اس کے حکم پر صابر بنادیتا ہے اور خواہ یوں کہو کہ جب وہ جان گئے کہ وہ دیکھتا ہے ان کو واقعات پر صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر کردیا خواہ یوں کہو کہ جب ان کو یقین ہوا کہ صبر سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے ان کو صبر آ گیا خواہ یوں کہو کہ حجاب اور پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو صابر بنادیا خواہ یوں کہو کہ ورود اسرار تصریف نے بار تکلیف کے برداشت کرنے پر قوت دیدی، خواہ یوں کہو کہ جب ان کو علم ہوا کہ اس کے احکام میں کیا کچھ لطف واحسان ہیں وہ صابر ہو گئے پس یہ گیارہ اسباب ہیں کہ بندے کے صابر ہونے اور ثابت رہنے کے باعث ہیں اپنے آقا کے احکام پر اور قوی رہنے کے موجب ہیں ان کے وارد ہونے کے وقت اور ان اسباب کا اپنے فضل سے عطاء فرمانے والا اور مستحقان عنایت پر احسان کرنے والا وہی ہے اب ہم کو ہر قسم پر ان اسباب سے مفصل گفتگو کرنا چاہئے تاکہ فائدہ کامل ہو۔

پہلا سبب

وہ یہ کہ ورود انوار تقدیر کی برداشت کرادیتا ہے یہ یوں ہے کہ انوار جب وارد ہوتے ہیں اور بندے کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا قریب ہونا مکشوف ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ احکام اسی کی طرف سے ہیں اس کا یہ جاننا کہ یہ احکام میرے آقا ہی کی جانب سے ہیں اس کی تسلی اور صبر کا باعث ہو جاتا ہے تو ارشاد خداوندی نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا[1] کہ صبر کرو اپنے پروردگار کے حکم پر کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو یعنی یہ کسی غیر کا حکم نہیں کہ تم پر شاق ہو بلکہ وہ حکم تمہارے آقا کا ہے جس کا تم پر احسان قائم ہے اور ہمارا شعر ہے اس مضمون میں:

سبک ہو گیا مجھ پر جو کچھ تھا غم و بلا	سنا جب سے ہے تم نے کیا مجھ کو مبتلا
نہیں حکم حق سے آدمی کو کہیں پناہ	نہیں چلتا بس اس پر جو خود منتخب کیا

---

[1] آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔ (مترجم)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی آدمی اندھیری کوٹھڑی میں ہو اس کے کوئی چیز آ کر لگی مگر یہ نہیں معلوم کہ مارنے والا کون ہے جب چراغ آیا تو دیکھتا ہے کہ اس کا شیخ ہے یا باپ یا حاکم ہے پس بے شک اس کا یہ جاننا ایسے مقام پر اس کے صبر کا موجب ہوگا۔

دوسرا سبب

کہ دروازہ فہم کا کشادہ ہو جانا قبول احکام پر معین ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی حکم وارد فرماتا ہے اور دروازہ فہم کا اس پر کشادہ کر دیتا ہے تو یہ بات بتلا دیتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس حکم کے قبول کرنے کو چاہتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ فہم تجھ کو خدا کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی طرف ترغیب دیتی ہے اور اس پر توکل کرا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے اور غیروں پر اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی رعایت فرماتا ہے کیونکہ خدا کی طرف سے جو فہم ہوگی وہ راز عبودیت کو منکشف کر دے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۱] ہے کیا نہیں اللہ تعالیٰ کافی اپنے بندے کو اور ان دسوں وجہوں کا حاصل یہی فہم ہے اور سب اسی کے انواع ہیں۔

تیسرا سبب

کہ واردات عطایا برداشت بلیات پر معین ہوتی ہیں یہ اس طرح ہیں کہ جو عطائیں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکی ہیں ان کا یاد کرنا خدائے تعالیٰ کے احکام قبول کرنے میں معین ہوتا ہے کیونکہ جیسے اس نے تجھ کو بہتیری محبوب نعمتیں دیں تجھ کو چاہئے کہ اس کے مجبوب اجکام پر صبر کرے کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سنا **اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا** پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت میں تسلی اس چیز سے دی جو ان کے ہاتھ آئی تھی یہ تقریر تو عطایائے سابقہ میں ہے کبھی خود بلا کے وارد ہونے کے وقت اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن ہوتی ہے جو اس بلا کو بندگان مقربین پر خفیف کر دیتی ہے ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس بلا میں جو ثواب کا عظیم ذخیرہ رکھا ہے اس کو کھول دیتا ہے ایک اس میں سے یہ

---

[۱] الیس اللہ بکاف عبدہٗ

ہے کہ ان کے قلوب پر استقلال اور سکون نازل فرمادیتا ہے ایک اس میں سے یہ ہے کہ اس پر دقائق لطف وارد فرماتا ہے اور تسکین نازل فرماتا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہؓ اپنے مرض میں فرماتے تھے اپنی خفگی کو اور سخت کردے اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ میں ایک بار بیمار ہوا میں چاہتا تھا کہ یہ بیماری نہ جاوے کیونکہ مجھ پر اس میں اللہ کی امداد ہوئی اور غیب منکشف ہوا اور اس سبب میں کلام کرنے کا اور موقع ہے۔

چوتھا سبب

کہ مشاہدہ حسن اختیار کا تحمل تقدیرات پر قوت دیدیتا ہے اس طرح سے ہے کہ جب بندہ اس کے حسن اختیار کو اپنے لئے مشاہدہ کر لیتا ہے یقیناً جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دکھ دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اس پر بڑا مہربان ہے چنانچہ خود ارشاد فرمایا ہے وکان بالمومنین رحیما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے پاس بچہ تھا آپ فرمانے لگے کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے، صحابہؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ جیسی اس کو اپنے بچے سے محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ محبت ہے مگر یہ ہے کہ بعضے دکھ تم پر ڈالتا ہے کیونکہ ان پر فضل و انعام مرتب ہوتا ہے کیا تم نے سنا نہیں ارشاد[1] کہ پورے دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے اپنا اجر بے شمار۔

اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اختیار کے حوالے کر دیتا تو وہ اس کے منت و احسان سے محروم رہتے اور بہشت میں داخل نہ ہونے پاتے پس اس کا شکر ہے حسن اختیار پر کیا تم نے سنا نہیں ارشاد[2] حق تعالیٰ کا شاید ناپسند کرو تم کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہو تمہارے لئے اور شاید کہ پسند کرو کسی چیز کو اور وہ بری ہو تمہارے لئے اور مشفق باپ اپنے بیٹے کے لئے پچھنے لگانے والے کو لاتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصود نہیں ہوتا۔ اور جیسے خیر خواہ طبیب کہ تیز تیز مرہموں سے تجھ کو رنج پہنچاتا ہے گو ان مرہموں سے تجھ کو تکلیف ہو اور اگر وہ تیرے

---

[1] آیت یہ ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب

[2] آیت یہ ہے کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا ھو شر لکم۔ (مترجم)

اختیار کا اتباع کرے تو شفا کوسوں دور بھاگے اور جس کو کوئی چیز نہ دی جائے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ نہ دینا محض شفقت کے باعث سے ہے تو یہ نہ دینا ہی اس کے حق میں دینا ہے جیسے مادر مہربان اپنے بچہ کو بدہضمی کے اندیشے سے زیادہ نہیں کھانے دیتی اس واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ اس کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اگر تم کو کوئی چیز نہیں دیتا تو یہ نہ دینا بوجہ بخل کے نہیں بلکہ عین رحمت ہے، پس اللہ تعالیٰ کا نہ دینا بھی دینا ہے لیکن نہ دینے میں دینا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو اور ہم نے ایک اور کتاب میں ثابت کیا ہے کہ جب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں مبتلا کیا ہے تو بلا کا الم کم ہو جاتا ہے پس جس کی طرف سے تجھ پر یہ احکام تقدیری متوجہ ہوتے ہیں وہی تو ہے جو تیرے حق میں حسن اختیار رکھتا ہے۔

پانچواں سبب

کہ اس کے علم کا اعتقاد اس کے حکم پر صابر بنا دیتا ہے وہ اس طرح ہے کہ جب بندہ یقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس بلا میں مبتلا کیا ہے وہ اس پر مطلع بھی ہے تو بار بلاشک سبک ہو جاتا ہے کیا تم نے یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کا سنا نہیں کہ صبر[1] کر اپنے پروردگار کے حکم کے لئے کیونکہ تم ہماری آنکھوں کے روبرو ہو یعنی اے محمد کفار قریش سے جو عناد و تکذیب آپ کو پیش آتی ہے وہ ہم پر مخفی نہیں۔ ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی شخص کے ننانوے تازیانے لگے اس نے آہ نہیں کی جب سوواں تازیانہ مارا آہ کرنے لگا کسی نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ جس کے سبب میں مارا گیا ہوں ننانوے میں تو وہ یہاں تماشائیوں میں موجود تھا اور مجھ کو دیکھ رہا تھا مجھ کو کچھ درد نہیں معلوم ہوا آخر تازیانے میں وہ چلا گیا اس وقت درد محسوس ہوا۔

چھٹا سبب

کہ اس کے ظہور جمال نے اس کے افعال پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ بندے پر کسی تلخ بلا پڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ جب تجلی فرماتا ہے تو وہ حلاوت تجلی میں اس کی تلخی کو جھیل لیتا ہے اور اکثر اوقات غلبہ تجلی سے دکھ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے اور تمہارے لئے اس

---

[1] آیت یہ ہے واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔ (مترجم)

مضمون میں یہ آیت بس کافی ہے پس[1] جب دیکھا عورتوں نے یوسف کو اس کی بڑائی کی اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

ساتواں سبب

کہ اُن کے اس اعتقاد نے صبر کہ سے رضا پیدا ہوتی ہے ان کو قضاء پر صابر بنا دیا یہ اس طرح ہے کہ جو اللہ کے احکام پر صبر کرتا ہے یہ اللہ کی رضا کا باعث ہو جاتا ہے پس وہ اسکی تیزی کو طلب رضا کیلئے برداشت کر لیتے ہیں جیسے کڑوی دوا بامید شفا پی لی جاتی ہے۔

آٹھواں سبب

کہ پردوں کے اٹھ جانے نے ان کو تقادیر پر صابر بنا دیا ہے یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے وارد ہونے والی بلائیں اٹھوانا چاہتا ہے تو اس کی بصیرت قلب سے حجاب اٹھا دیتا ہے پس اپنا قرب اس کو دکھلا دیتا ہے پس اس پر انس قرب اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ادراک الم کا پتہ نہیں رہتا اور اگر خدائے تعالیٰ اہل نار پر اپنے جمال و کمال سے تجلی فرما دے تو ان کو عذاب عذاب نہ معلوم ہو اسی طرح اگر اہل جنت سے حجاب کر لے تو کوئی نعمت خوش نہ آئے پس عذاب حقیقت میں وجود حجاب ہے اور انواع عذاب اسکے مظاہر ہیں اور نعیم ظہور و تجلی سے ہے اور انواع نعیم اس کے مظاہر ہیں۔

نواں سبب

کہ اصرار تصریف کے وارد ہونے نے بار تکلیف اٹھانے پر قوت دیدی اور یہ اس طرح ہے کہ تکالیف تو بندوں پر بے شک شاق ہیں اور اس میں یہ سب امور داخل ہیں بجا لانا احکام کا، باز آنا نواہی سے، صبر کرنا احکام پر، شکر کرنا انعام پر یہ چار چیزیں ہوئیں، طاعت، معصیت، نعمت، بلا اور پانچویں کوئی چیز نہیں اور ان چاروں میں جدا جدا تیرے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق عبودیت ہے کہ بمقتضائے ربوبیت تجھ سے اس کا تقاضا کرتا ہے پس اس کا حق اطاعت میں تو تیرے ذمے یہ ہے کہ اس کا احسان مشاہدہ کرے اور معصیت میں یہ حق ہے کہ اس میں جو کچھ ضائع کیا ہے اس سے استغفار کرے اور بلا میں یہ حق ہے کہ اس

---

[1] آیت یہ ہے کہ فلما رأینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن۔ (مترجم)

پر صبر کرے اور نعمت میں یہ حق ہے کہ اس پر شکر کرے اور تمامی بار فہم کی بدولت اٹھ سکتے ہیں جب تو نے یہ سمجھ لیا کہ طاعت کا نفع تجھ کو ہی ملے گا اس پر قیام کرنا آسان ہو جائے گا جب یہ جان لیا کہ معصیت پر اصرار کرنا اور گناہ میں پڑنا آخرت میں عتاب الٰہی اور دنیا میں زوال نور ایمان کا باعث ہے یہی موجب ترک ہو جائے گا اور جب یہ یقین کر لیا کہ صبر کا ثمرہ تجھ ہی کو ملے گا اور اس کی برکت تیری طرف پھر کر آئے گی تو تو ضرور اس کی طرف دوڑے گا اور اس کا سہارا پکڑے گا اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ شکر کی بدولت خدائے تعالیٰ کی طرف سے نعمت بڑھے گی کیونکہ اس کا فرمان ہے۔ لئن شکرتم لا زیدنکم یہ سبب ہو جائے گا، صبر پر دوام اور آمادگی کرنے کا اور ان چاروں میں کلام وسیع کریں گے ہم آخر کتاب میں اور اس کے لئے جدا فصل مقرر کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

دسواں سبب

کہ اللہ تعالیٰ نے احکام تقدیری میں جو کچھ اپنا لطف واحسان پوشیدہ کیا ہے جب ان لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی ہے تو صبر آ جاتا ہے یہ اس طرح ہے کہ ناگوار چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے الطاف کو امانت رکھا ہے کیا تم نے سنا نہیں فرمانا اللہ تعالیٰ کا

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم اور فرمانا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جنت ناگوار چیزوں کے ساتھ اور دوزخ شہوات سے گھیری گئی ہے اور بلیات وامراض و فاقوں میں اس قدر اسرار الطاف ہیں کہ ان کو سوائے اہل بصیرت کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تم نے خیال نہیں کیا کہ بلاؤں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے حظوظ کی خواہش سے مدہوش ہو جاتا ہے اور بلاؤں کے ساتھ ذلت ہے اور ذلت کے ساتھ نصرت۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ اور اس میں زیادہ گفتگو کرنے سے مقصود کتاب سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں اس لئے پھر آیت کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور وہ آیت یہ ہے کہ فلا وربک لا یؤمنون الآیۃ جاننا چاہئے کہ احوال تین ہیں قبل تحکیم بعد تحکیم، عین حالت تحکیم پس قبل تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ تحکیم کریں اور عین تحکیم اور

---

[1] حدیث یہ ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات۔ (مترجم)

بعد تحکیم میں عبودیت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ تنگی نہ پانا تو حاکم بنانے کو لازم ہے جواب دیا جائیگا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم بنادے تو وہ تنگی بھی نہ پائے کبھی ظاہر میں حاکم بناتا ہے اور دل میں کراہت موجود ہوتی ہے پس بالضرور تحکیم کے ساتھ فقدان جرح اور وجود تسلیم کو ملانا چاہئے اگر کوئی اعتراض کرے جب تنگی نہ پائی تو تسلیم کرلیا پھر اس کہنے سے کیا فائدہ ہوا ویسلموا تسلیما اس کا جواب یہ ہے کہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جمیع امور میں تسلیم کرلیں اگر کوئی کہے کہ یہ تو حتی یحکموک سے لازم آگیا، جواب یہ ہے تحکیم کو مطلق نہیں لائے بلکہ فیما شجر بینھم کے ساتھ مقید کیا، پس یہ آیت تین امر کو شامل ہوئی ایک حاکم بنانا آپس کے جھگڑوں میں، دوسرا تنگی نہ پانا، تیسرا تسلیم مطلقاً پایا جانا آپس کے جھگڑوں میں بھی اور اپنے ذاتی حالات میں بھی پس یہ تعمیم بعد تخصیص ہے خوب سمجھ لو، دوسری آیت وربک[1] یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون چند فائدوں کو شامل ہے۔

پہلا فائدہ

یہ جو فرمایا کہ وربک یخلق ما یشاء ویختار اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو لازم ہے کہ اللہ کے سامنے کچھ تدبیر نہ کرے کیونکہ جب وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے تو تدبیر بھی جو چاہے کرے گا جو پیدا کرنے کا مالک نہیں وہ تدبیر کا بھی مالک نہیں، کیا[2] پیدا کرنے والا یا نہ پیدا کرنے والا برابر ہوسکتا ہے آیا نصیحت نہیں قبول کرتے تم اور یختار سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار میں وہ یکتا ہے اور اس کے افعال صادر بالاضطرار نہیں بلکہ وہ صفت اختیار کے ساتھ موصوف ہے اس میں بندے پر لازم ٹھہراتا ہے کہ اپنا اختیار اور تدبیر اللہ کے آگے ساقط کردے کیونکہ جو صفت اس کی ہے وہ تیری نہیں ہوسکتی اور یہ قول ما کان لھم الخیرۃ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان کے لئے اختیار حاصل ہو اور اس کے مستحق ہوں دوسرے یہ کہ ہم نے ان کو اختیار نہیں دیا اور اس امر کا مستحق نہیں بنایا

---

[1] ترجمہ یہ ہے اور پروردگار تیرا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے نہیں ہے ان کے لئے اختیار پاک ہے اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں۔ [2] آیت یہ ہے افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون

سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون یعنی اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے آگے ان کا اختیار چلے اور اس آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ اختیار کا دعویٰ کرے وہ مشرک ہے لسان حال سے دعویٰ ربوبیت کا کر رہا ہے اگرچہ زبانی اس سے برأت ظاہر کرتا ہو۔

تیسری آیت فرمایا اللہ تعالیٰ نے **ام للانسان ما تمنیٰ فللّٰہ الاخرۃ والاولیٰ** یعنی کیا انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے پس اللہ ہی کی ہے آخرت اور دنیا۔

یہ آیت دلیل ہے اس کی کہ اللہ کے آگے تدبیر ساقط کرنا چاہئے کیونکہ یوں فرمایا کہ انسان کو اس کی ہر آرزو مل جاتی ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا اور اس کو یہ شایاں نہیں کیونکہ ہم نے اس کو اس کا مالک نہیں کیا پھر اس کو موکد کیا اس قول سے **فللّٰہ الاخرۃ والاولیٰ** یعنی جب دنیا و آخرت دونوں اللہ ہی کے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ ہوا تو اس کو مناسب نہیں کہ غیر کی ملک میں تدبیر کرے البتہ دارین کی تدبیر کرنا اس ذات کو زیبا ہے جو ان دونوں کا مالک ہے اور وہ فقط اللہ تعالیٰ ہے اور یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاق[1] **طعم الایمان الخ**

اس میں دلیل ہے کہ جو ایسا نہ ہوگا ایمان کی حلاوت اور ذوق نہ پائے گا اس کا ایمان صرف ایک صورت بے جان اور ظاہر بے معنی اور نقش بے حقیقت ہوگا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو قلب امراض غفلت وہوا سے سالم ہیں وہ لذیذ معانی سے مزے لیتے ہیں جیسے تمام نفوس لذیذ کھانوں سے خوش ہوتے ہیں اور ایمان کا مزہ وہی چکھے گا جو اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو، کیونکہ جب اس کے رب ہونے پر راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا اس کے حکم کا مطیع ہوگا اپنا اختیار اس کے حوالے کرے گا اس کے حسن تدبیر و اختیار کے روبرو اپنا اختیار و تدبیر چھوڑ دے گا اس وقت لذت عیش اور راحت تفویض دیکھے گا اور جب یہ اس سے راضی ہوگا رب بنانے میں اس کے لئے ادھر سے رضا ہوگی جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور جب اس کیلئے اللہ کی طرف سے رضا ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت پیدا کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی منت و احسان کو جانے اور یہ رضا باللہ بدوں فہم کے نہیں ہوتی اور فہم بدوں نور کے نہیں

---

[1] یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے مع ترجمہ کے۔

ہوتا اور نور بدوں قرب کے نہیں ہوتا اور قرب بدوں[1] عنایت کے نہیں ہوتا پس جب عنایت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے یہ تمام دولتیں خزانہ منت سے اس کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس جب اللہ کی امدادیں اور انوار اس پر پیاپے آتے ہیں اس کا قلب امراض و اسقام سے صحت پاتا ہے تو صحیح الادراک ہو جاتا ہے پس ایمان کی لذت اور حلاوت کا ادراک بوجہ صحت ادراک و سلامت ذوق کے ہے اور اگر بیماری غفلت عن اللہ میں اس کا قلب مبتلا ہوتا تو اس کا ادراک میسر نہ ہوتا کہ بخار والا اکثر اوقات شکر کا مزہ تلخ پاتا ہے اور حالانکہ وہ واقعہ میں ایسا نہیں پس جب امراض زائل ہو جاتے ہیں حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے پس پالیتا ہے حلاوت ایمان و لذت وطاعت کو اور تلخی قطع تعلق[2] اور مخالفت کو پھر جب حلاوت ایمان کو پائے گا تو اس پر خوش ہوگا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اور اس اسباب کو طلب کرے گا جن سے ایمان محفوظ رہے اور حاصل ہوا، اور جب لذت و طاعت کو پائے گا تو اس پر دوام کرے گا اور اس میں اللہ کا احسان مشاہدہ کرے گا اسی طرح جب تلخی کفران و مخالفت کو پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کو ترک کرے گا اور اس سے نفرت کرے گا اور اس کی طرف مائل نہ ہوگا پس یہ باعث ہو جائے گا ترک گناہ کا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونے کا اور یہ دونوں مفہوم جدا[3] جدا ہیں اور یہ نفرت گناہ سے اس لئے ہوگی کہ نور بصیرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مخالفت اور اس سے غافل ہونا قلوب کے حق میں زہر قاتل ہے پس مومنین کے قلوب میں اللہ کی مخالفت سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے جیسے کہ تم کو طعام زہر آلود سے نفرت ہے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے و بالاسلام دینا یعنی اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوا تو اپنے آقا کی پسندیدہ اور مختار چیز پر راضی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی بے شک دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

---

[1] کسی بزرگ کا قول ہے کار بعنایت ست باقی بہانہ (ملفوظات شریف) [2] یعنی اللہ سے تعلق قطع کرنا
[3] (یعنی گناہ کا ترک کرنا اور چیز ہے اور اس کی طرف متوجہ ہونا اور چیز۔ (مترجم)

اور فرمایا ان الدین عند الله الاسلام یعنی بے شک دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہے اور فرمایا و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه یعنی جو شخص ڈھونڈے سوائے اسلام کے اور کوئی دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اس سے اور فرمایا ان الله اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون یعنی بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا ہے تمہارے لئے دین پس مرنے نہ پاؤ تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور جب اسلام کے دین بنانے پر راضی ہوگا تو لازم ہے کہ اوامر کو مانے گا اور نواہی سے باز آئے گا اچھی باتیں اوروں کو بتلائے گا بری باتوں سے منع کرے گا اور جب کسی ملحد کو دیکھے گا کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اس کو جوش پیدا ہوگا اور برہان سے اس کی مغز پاشی کرے گا اور قوت بیانیہ سے اس کی بیخ کنی کرے گا۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمحمد نبیا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو، پھر اس کو لازم ہے کہ آپ کا محب ہو اور آپ کے آداب و اخلاق اختیار کرے دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس سے علیحدگی کرنے میں لوگوں کی خطا سے درگذر کرنے میں جو اس سے بُرائی کرے اس سے معاف کرنے میں اور اس کے سوا جتنے امور ہیں سب میں آپ کا اتباع ہو کہنے میں، کرنے میں، اختیار کرنے میں محبت میں بغض میں ظاہر میں باطن میں، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا اس کے آگے گردن جھکا دے گا جو اسلام سے راضی ہوگا اس کے موافق عمل کرے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوگا آپ کی متابعت کرے گا اور ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جب تک سب نہ ہوں کیونکہ یہ امر محال ہے کہ اللہ کے رب ہونے پر تو راضی ہو اور اسلام کے دین ہونے پر راضی نہ ہو یا اسلام کے دین ہونے پر تو راضی ہو، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی نہ ہو اور ان سب کا باہم لازم ملزوم ہونا ظاہر ہے کچھ مخفی نہیں جب یہ بیان ہو چکا تو اب اس بات کو جان لو کہ مقامات یقین کے نو ہیں: توبہ، زہد، صبر، شکر، خوف، رضا، رجا، توکل اور محبت اور کوئی مقام ان میں سے بدوں ساقط کرنے تدبیر و اختیار کے صحیح نہیں ہوتا اور یہ اس طرح ہے کہ توبہ کرنے والے کو جیسا اپنے گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے ایسے ہی

پروردگار کے آگے اپنی تدبیر کرنے سے بھی توبہ کرنا واجب ہے کیونکہ تدبیر اور اختیار قلوب کے کبیرہ گناہوں سے ہیں اور توبہ کے معنی رجوع کرنا تمامی ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور تدبیر بھی اللہ کو پسند نہیں کیونکہ وہ شرک ہے ربوبیت میں اور کفران ہے نعمت عقل کا اور کفر کو اپنے بندوں کے لئے پسند نہیں فرماتا[1] اور ایسے شخص کی توبہ کیسے درست ہوگی کہ تدبیر دنیوی میں مبتلا ہے اور اپنے آقا کے حسن رعایت سے غافل ہے اور اسی طرح زہد ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ تدبیر سے علیحدگی نہ کرے کیونکہ جن چیزوں سے خارج اور بے رغبت ہونے کا حکم ہے ان میں سے تدبیر بھی ہے کیونکہ زہد دو طرح کا ہے ایک زہد ظاہر ہے دوسرا زہد خفی۔

زہد ظاہر

تو یہ ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی حاجت سے زائد ہیں ان کی رغبت نہ رہے اور زہد خفی یہ ہے کہ سرداری اور ناموری کی ہوس نہ رہے اسی کی قسم ہے زہد کرنا تدبیر میں اللہ کے آگے، اسی طرح صبر و شکر بدوں تدبیر ساقط کئے ہوئے ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ صابر وہ ہے جو اللہ کی ناپسند چیزوں سے صبر کرے اور اللہ کی ناپسند چیزوں میں تدبیر و اختیار بھی ہے کیونکہ صبر کئی قسم پر ہے ایک صبر کرنا حرام چیزوں سے دوسرے صبر کرنا واجبات پر، تیسرے صبر تدبیر اختیار سے خواہ یوں کہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک صبر کرنا حظوظ بشریہ سے، دوسرے صبر کرنا لوازم عبودیت پر اور لوازم عبودیت سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے تدبیر ساقط کردے اسی طرح شکر ٹھیک نہیں ہوتا مگر اس شخص کے لئے یہ جو تدبیر کو اللہ کے روبرو ترک کردے کیونکہ شکر کے معنی بقول حضرت جنیدؒ کے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنائے اور اگر تجھ کو عقل نہ ہوتی جس کی بدولت اللہ نے تجھ کو تیرے امثال پر ممتاز کیا اور اس کو تیرے کمال کا سبب ٹھہرایا تو ہرگز تو تدبیر نہ کرتا کیونکہ جمادات وحیوانات کچھ بھی تدبیر نہیں کرتے کیونکہ انہیں عقل نہیں جس کا کام ہے انجام کو دیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا۔

(ف) پس ایسی نعمت عظمیٰ یعنی عقل کو تو نے اس کی نافرمانی یعنی تدبیر کا ذریعہ ٹھہرایا۔

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولا یرضیٰ بعبادہ الکفر۔ (مترجم)

اور تدبیر کرنا مقام خوف ورجا کے بھی خلاف ہے کیونکہ خوف کا جب قلب پر غلبہ ہوتا ہے اس کو اس قدر چین نہیں لینے دیتا کہ تدبیر کرے اور رجاء کا بھی یہی حال ہے کیونکہ رجا کرنے والے کا دل تو خوشی سے بھرا رہے گا اور اس کے اوقات اللہ کے معاملہ میں مشغول ہوں گے، کون وقت میں تدبیر کی گنجائش ہوگی اور تدبیر کرنا مقام توکل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ متوکل تو وہ ہے جو اپنا کل اختیار اس کے حوالے کردے اور تمام امور میں اس پر اعتماد کرے پس اس کے لوازم میں سے ہے تدبیر نہ کرنا اور اجرائے احکام کے لئے گردن جھکا دینا اور ترک تدبیر کا تعلق مقام توکل ورضا کے ساتھ بہ نسبت تعلق دوسرے مقامات کے زیادہ ظاہر ہے اور تدبیر کرنا مقامات محبت کے بھی خلاف ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے عشق میں مستغرق ہے اور اس کا عین مطلوب یہ ہے کہ اس کے روبرو اپنے ارادے سے دست بردار ہوجائے اور عاشق کو کسی وقت میں تدبیر کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اس کو اللہ کی محبت نے اس سے غافل کر رکھا ہے اسی واسطے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خالص محبت کا کچھ بھی مزہ چکھ لیا اس نے ماسوائے سے اس کو غافل بنادیا اور تدبیر کرنا مقام رضا کے بھی خلاف ہے اور یہ بہت ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال ہی نہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جس شخص کو مقام رضا حاصل ہے وہ اللہ کی اگلی تدبیر پر بس کرے گا پھر وہ کیوں تدبیر کرے گا کہ اس کی تدبیر پر تو راضی ہو چکا کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ نور رضا قلوب سے تدبیر کا میل کچیل دھوڈالتا ہے پس رضا والا انوار رضا سے اس کے احکام میں منبسط ہے وہ اللہ کے روبرو کچھ تدبیر نہیں کرتا اور غلام کے لئے اس کے آقا کا حسن اختیار ہی بہت ہے خوب سمجھ لو۔

فصل: جاننا چاہئے کہ ترک تدبیر واختیار کے اسباب چند امور ہیں اول تیرا یہ اعتقاد کہ اللہ نے تیرے لئے پہلے سے تدبیر کردی ہے اور اس کو اس طرح جان کہ اللہ تیرا اس وقت تھا کہ تو بھی اپنا نہ تھا پس جیسا تیرے ہونے سے پہلے اس نے تیرے لئے تدبیر فرمائی تھی اور تیری تدبیر وہاں کچھ نہ تھی اسی طرح بعد ہونے کے بھی وہ مدبر ہے پس تو اس کے ساتھ ایسا رہ جیسا پہلے تھا وہ بھی تیرے ساتھ ایسا رہے گا جیسا پہلے تھا اور اسی واسطے حسین حلاجؒ نے دعا کی میرے واسطے ایسا ہوجا جیسا میرے نہ ہونے کے وقت میں تھا حاصل دعا یہ ہے کہ میرے

وجود کے بعد میری تدبیر فرما جیسا میرے وجود سے پہلے میری تدبیر فرماتا تھا کیونکہ وجود سے پہلے اللہ کے علم میں بندے کی تدبیر ہو چکی ہے اور اس کا کہیں وجود بھی نہ تھا کہ دعویٰ تدبیر کرتا اور اس وجہ سے اس کی نصرت نہ ہوتی اگر کوئی اعتراض کرے کہ قبل وجود تو معدوم محض تھا پس تدبیر کیسے اس کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے جواب یوں سمجھو کہ تمام اشیاء علم الٰہی میں موجود ہیں اگرچہ خارج میں ان کا وجود نہ ہو پس اللہ تعالیٰ ان کے وجود علمی کے مرتبے میں ان کی تدبیر فرماتا ہے اور یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے یہ موقع اس کی تفصیلی بحث کا نہیں۔

بیان واعلام

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ جمیع اطوار میں تیری تدبیر کا ذمہ دار ہوا اور تمام حالات میں تیرے ایجاد کا اہتمام فرمایا یوم میثاق میں تیری تدبیر فرمائی جس روز پوچھا گیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں اس وقت تیرے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ تجھ کو اپنی شناخت دی تب تو نے اس کو پہچانا اور تجھ کو اپنی جھلک دکھلائی تو نے اس کو مشاہدہ کیا، تجھ کو گویا کیا تیرے دل میں اپنی ربوبیت کا اقرار ڈالا تب تو نے اس کی توحید کی اس کے بعد تجھ کو نطفہ بنایا جو باپ دادا کی پشت میں امانت تھا، اور اس مقام میں تیری تدبیر کا سامان کیا تیری حفاظت کی جس جگہ تو رہا اس کی حفاظت کی جس شخص میں تو رہا اس کے ذریعہ سے برابر تجھ کو مدد پہنچتی رہی، یہی سلسلہ آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے پھر تجھ کو ماں کے رحم میں ڈالا وہاں تیرے کام بنائے اور رحم میں قابلیت رکھ کر اس کو ایک زمین بنایا جس میں تو پھلے پھولے اور اس کو ایک محل امانت بنایا جس میں تجھ کو حیات عنایت ہو پھر دونوں نطفوں کو جمع کیا دونوں کو ملایا پھر تو دونوں سے بنا اس کا سبب حکمت الٰہی ہے کہ تمام وجود سر ازدواج پر مبنی ہے پھر نطفے کے بعد تجھ کو علقہ یعنی خون بستہ بنایا جس میں صلاحیت اس صورت کی رکھی جو اس کے بعد پیدا کرنا منظور ہے پھر علقے کے بعد مضغہ بنایا پھر مضغہ میں تیری صورت نقش کی اور تیری بنیاد قیام فرمائی پھر اس کے بعد تیرے اندر روح پھونکی پھر ماں کے رحم میں خون حیض سے تجھ کو غذا دی پس تیرے وجود میں آنے سے پہلے تیرا رزق جاری فرمایا پھر تجھ کو ماں کے رحم میں باقی رکھا یہاں تک کہ تیرے اعضاء قوی ہوگئے اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہوگئے تاکہ تو ایسی جگہ آنے کے قابل ہو جائے جہاں

تیرا نفع ونقصان ہے اور تا کہ تجھ کو ایسے گھر کی طرف لائے جس میں تجھ کو اپنے فضل وعدل کے ساتھ اپنی شناخت کرائے پھر جب تجھ کو زمین کی طرف لایا اس کو معلوم تھا کہ تو سخت چیزیں نہیں کھا سکتا اور نہ تیرے دانت ہیں نہ ڈاڑھ جن سے تو کھانے میں کام لے سکے پس چھاتیوں میں لطیف غذا جاری فرمائی اور ان پر جوش دینے والی مہربانی ماں کے دل میں مسلط کی جہاں دودھ نکلنا موقوف ہوا اس محبت مادری نے اس کو جوش دیا جوش دینے والا بھی کیسا جو کبھی ست نہیں ہوتا ایسی مستعد جو کبھی بند نہیں ہوتا پھر ماں باپ کو اس کام میں لگا دیا کہ تیرے فائدے کی چیزیں حاصل کریں اور تجھ پر شفقت کریں اور تجھ کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ وہی شفقت ہے جس کو تیری طرف اور دوسرے شخصوں کی طرف بھیجنے میں ماں باپ کو مظہر قرار دیا تا کہ صفت مودت کے ساتھ اس کی معرفت ہو اور حقیقت میں اس کی ربوبیت کے سوا تیرا کوئی کفیل نہیں اور اس کی الوہیت کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہیں پھر باپ کے ذمے لازم ٹھہرایا کہ وقت بلوغ تک تیری خبر گیری کرے اور اپنی عنایت سے یہ اس پر واجب کر دیا پھر کمال فہم تک تجھ کو مرفوع القلم فرمایا اور یہ بلوغ کا وقت ہے پھر تب سے ادھیڑ ہونے تک اپنے عطا وفضل کو موقوف نہیں کیا پھر جب تو بڑھاپے کو پہنچا پھر جب تو مرے گا پھر جب قیامت میں زندہ ہوگا پھر جب تجھ کو اپنے روبرو کھڑا کرے گا پھر جب اپنے عقاب سے تجھ کو بچائے گا پھر جب تجھ کو بہشت میں داخل کرے گا۔

پھر جب اپنا پردہ تیرے سامنے سے اٹھا دے گا اور اپنے اولیاء اور احبا کی مجلس میں تجھ کو بٹھلائے گا۔

فرمایا[1] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہ متقی لوگ ہوں گے بہشتوں میں اور نہروں میں سچی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے پاس یعنی سب جگہ تجھ پر فضل رہا۔

پس تو اس کے کس کس احسان کا شکر کر سکتا ہے اور کون کون نعمتوں کو ذکر میں لا سکتا ہے اور سنو ارشاد اللہ تعالیٰ کا و ما بکم من نعمة فمن الله یعنی جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں پس معلوم ہوا کہ تو اس کے احسان سے نہ کبھی نکلا ہے نہ نکلے

---

[1] آیت یہ ہے کہ ان المتقین فی جنت و نھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر. (مترجم)

گا اور اس کا فضل و امتنان تجھ سے کبھی جدا نہ ہوگا اور اگر اپنے تغیر حالات کا معلوم کرنا منظور ہے تو یہ ارشاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا سن لو ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ثم جعلنا نطفة في قرار مكين، ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظماً فكسونا العظم لحما ثم انشاناه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين، ثم انكم بعد ذلك لميتون، ثم انكم يوم القيمة تبعثون۔ یعنی بے شک پیدا کیا ہم نے آدمی کو خلاصہ مٹی سے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ ٹھہرنے کی جگہ میں پھر پیدا کیا ہم نے نطفے کو خون بستہ پھر پیدا کیا ہم نے خون بستہ کو گوشت کی بوٹی پھر پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو دوسری پیدائش۔

(ف) یعنی روح پھونکی۔

(ف) پس بڑی برکت والا ہے اللہ بہتر سب تجویز کرنے والوں کا بے شک تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو پھر بے شک تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے، اس آیت کی جھلک تجھ پر ظاہر ہوگی اور اس کی چمک تجھ پر پھیلے گی، اور اس کا مضمون گردن جھکا دینے اور توکل کرنے کو تجھ پر لازم ٹھہرا دے گا اور تدبیر کے ترک اور تقدیر کے ساتھ منازعت نہ کرنے کی طرف تجھ کو کھینچ لے جائے گا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

دوسرا امر

یہ ہے کہ جان لے کہ اپنے لئے تیرا تدبیر کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اپنے فائدے کے سوچنے سے کیونکہ ایمان والے کا اعتقاد ہے کہ جب وہ اللہ کے روبرو تدبیر کو ترک کر دیتا ہے خدائے تعالیٰ اس کے لئے بخوبی تدبیر فرما دیتا ہے، بسبب فرمانے اللہ تعالیٰ کے ومن يتوكل على الله فهو حسبه یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے پس تیری تدبیر یہی ہے کہ تدبیر نہ کرے اور اپنی بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اس کی خیر خواہی کی فکر نہ کرے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قول[1] کو سمجھو کہ آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے پس تدبیر کا دروازہ اللہ کی طرف سے یہی ہے کہ اپنے لئے تدبیر نہ کرو۔

---

[1] آیت یہ ہے کہ واتوا البيوت من ابوابها۔ (مترجم)

تیسرا امر

یہ ہے کہ جان لو کہ یہ ضرور نہیں کہ تقدیر تیری تدبیر کے موافق جاری ہوا کرے، بلکہ اکثر وہی بات ہوتی ہے جس کی تدبیر نہیں کرتا، اور بہت کم وہ ہوتا ہے جس کی تدبیر کرتا ہے اور عاقل بے ٹھکانے مکان نہیں بناتا پس تیری عمارتیں کہاں پوری ہونے پائیں گی، تقدیر ان کو گرا رہی ہے اور پورا ہونے سے روک رہی ہے:

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اسکو بناتا ہو　　مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

اور جس حالت میں تیری طرف سے تدبیر ہو اور تقدیر برخلاف تیری تدبیر کے جاری ہوتی ہو تو ایسی تدبیر سے کیا فائدہ جس کی حمایت تقدیر نہ کرے اور تدبیر تو اسی کو سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر کی باگ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے:

پایا میں نے قضا کو جب کاری　　اور نہیں اس میں کوئی شک طاری
کر لیا اعتماد خالق پر　　خود چاہا جس طرف وہ ہو جاری

چوتھا امر

یہ ہے کہ جان تو کہ اللہ تعالیٰ ہی ذمہ دار ہے اپنی سلطنت کی تدبیر کا اس کی بلندی کا اس کی پستی کا اس کے غیب کا اس کی شہادت کا اور جیسا عرش کرسی اور آسمان و زمین میں اس کی تدبیر کو تو نے تسلیم کر لیا، اسی طرح اپنے وجود میں بھی اس کی تدبیر کو تسلیم کر لے کیونکہ تیرے وجود کی نسبت ان عالموں کے ساتھ ایسی ہے کہ تیرا پتہ بھی نہیں لگنے دیتی جیسا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی نسبت کرسی کے ساتھ ایسی ہے کہ جیسے کسی چٹیل میدان میں ایک حلقہ پڑا ہو اور کرسی اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین عرش کے سامنے یہی نسبت رکھتے ہیں پس تو بیچارا اس کے ملک میں کیا چیز ہے پس تجھ کو اپنے نفس کی فکر کرنا اور اس کے لئے تدبیر کرنا بالکل اللہ سے ناواقف ہے بلکہ بات وہ ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا و ما قدروا اللہ حق قدرہ یعنی انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہئے تھا، پس اگر بندہ اپنے رب کو پہچان لے تو اس کے آگے تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور تجھ کو جو خدائے تعالیٰ سے آڑ ہے

اسی نے تجھ کو دریائے تدبیر میں پھینکا ہے، کیونکہ اہل یقین کی باطنی بینائی سے جو پردہ اٹھا انہوں نے اپنے کو دیکھا کہ ہماری تو تدبیر کوئی دوسرا کر رہا ہے ہم خود کچھ تدبیر نہیں کر سکتے اور ہم میں کوئی دوسرا تصرف کر رہا ہے ہم خود کچھ تصرف نہیں کر سکتے اور ہم کو کوئی دوسرا جنبش دے رہا ہے ہم خود کو کوئی جنبش نہیں کر سکتے اسی طرح سکان عالم بالا مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے ظہور قدرت کا اور نفوذ و ارادہ کا اور مقدورات کے ساتھ قدرت اور مراد کے ساتھ ارادے کے متعلق ہونے کا اور اسباب اس کی نگاہ میں سب برطرف ہیں اسی لئے وہ دعویٰ سے پاک ہیں کیونکہ ان کو معاینہ اور مواجہہ حاصل ہے اس لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا **انا نحن نرث الارض و من علیھا و الینا یرجعون**۔ یعنی ہم وارث ہیں زمین کے اور جو اس کے اوپر بستے ہیں اور سب ہماری طرف پھیرے جاویں گے اس میں ملائکہ کا تزکیہ ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے جوان کو عنایت کیا وہ اس میں مدعی نہیں اور جوان کی طرف منسوب کیا اس میں وہ خود نسبت کرنے والے نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرماتے **انا نحن نرث الارض والسماء** بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت ہے اور اس سے ہیبت کرتے ہیں اور اس کی عظمت سے حیران ہیں یہ امور ان کو مانع ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف میلان کریں پس جیسا آسمان و زمین کے مقدمے میں اللہ کی تدبیر کو تسلیم کر لیا ہے اسی طرح اپنے وجود میں بھی تسلیم کر لے، کیونکہ آسمان و زمین[1] کی خلقت تو بہر حال انسان کی خلقت سے بڑی ہی ہے۔

پانچواں امر

یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کی ملک ہے اور تجھ کو ایسی چیز کرنا نہیں پہنچتا جو غیر کی ملک ہو پس جو چیز تیری ملک میں نہیں تجھ کو اس کی تدبیر کا بھی استحقاق نہیں اور جو چیز تیری ملک میں ہے، اس میں جب کوئی تجھ سے منازعت نہیں کرتا اور حالانکہ تیری ملک صرف اس کے مالک بنانے سے ہوئی اور تیری ملک حقیقی نہیں بلکہ صرف ایک نسبت شرعی ہے جو تیری ملک کی موجب ہوگئی یہ نہیں کہ کوئی چیز تیرے وصف کے ساتھ قائم ہوگئی، جس سے تو مالک بننے

---

[1] جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس الآیۃ۔ (مترجم)

کا مستحق ہو گیا تو اللہ کے ساتھ اس کی ملک منازعت نہ کرنا تو زیادہ تر مناسب اور سزاوار ہے، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یعنی اللہ نے مول لے لیا ہے اہل ایمان سے ان کی جانوں کو ان کے مالوں کو اس معاوضے میں کہ ان کے لئے جنت ہے تو فروخت کرنے کے بعد تدبیر و منازعت کرنا مناسب نہیں کیونکہ جس چیز کو تو فروخت کر چکا اس کا تسلیم کر دینا اور منازعت نہ کرنا تجھ پر واجب ہو چکا پھر اس میں تدبیر کرنا عقد بیع کو توڑنا ہے میں ایک روز شیخ ابو العباس مرسیؒ کی خدمت میں گیا اور کسی قصے کی شکایت کی فرمانے لگے، اگر تیرا نفس تیری ملک ہے تو اس کے ساتھ جو چاہے کر اور یہ تجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا اور اگر پیدا کرنے والے کی ملک ہے تو اس کو تسلیم کر وہ جو چاہے کرے پھر فرمایا کہ چین اسی میں ہے کہ اللہ کے سپرد کر دو اور تدبیر چھوڑ دو اور عبودیت کے یہی معنی ہیں، ابراہیم بن ادہمؒ سے منقول ہے کہ میں ایک شب سو گیا اور میرا معمول قضا ہو گیا میں جاگا اور نادم ہوا پھر تین دن ایسا سویا کہ فرض بھی قضا ہو گیا جب میں بیدار ہوا ایک ہاتف کی آواز سنی کہ کہتا ہے:

ہر خطا سے کرتے ہیں ہم درگذر　　　ہے مگر اعراض ہم سے سخت تر

رہ گئی طاعت جو تجھ سے بخشدی　　　رہ گیا جو اجر وہ ہے مدخر

پھر مجھ کو حکم ہوا اے ابراہیم بندہ بن رہ پس میں بندہ بنا اور چین میں ہو گیا۔

چھٹا امر

یہ ہے کہ جان لے کہ تو اللہ کا مہمان ہے کیونکہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور تو وہاں آ کر اس کا مہمان ہوا ہے اور مہمان کو سزاوار ہے کہ میزبان کے ہوتے کوئی غم نہ پالے شیخ ابو مدینؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ مشائخ کو ہم اسباب میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں اور آپ بالکل نہیں پھنستے فرمانے لگے اے بھائی انصاف تو کرو دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے مہمان ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہمانی تین روز تک ہے تو تین روز تک تو اللہ کے یہاں ہماری ضیافت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ہے کہ ایک دن تیرے رب کے

---

[1] آیت یہ ہے کہ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ (مترجم)

یہاں کا ایک ہزار سال کے برابر ہے جس کو شمار کیا کرتے ہو اس حساب سے تین ہزار برس ہماری مہمانی کے ٹھہرے جس میں کچھ مدت تو دنیا میں مقیم ہیں اور باقی کو اپنے فضل سے آخرت میں پورا کرے گا اور خلود دائم مزید برآں ہے۔

ساتواں امر

یہ ہے کہ بندہ ہر شیء میں اللہ تعالیٰ کی قیومیت کو دیکھے کیا یہ قول اس کا تو نے نہیں سنا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم یعنی اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا، پس حق سبحانہ وتعالیٰ قیوم ہے دنیا کا اور آخرت کا دنیا کا قیوم تو رزق اور عطاء سے ہے اور آخرت کا اجر و جزا سے جب بندہ اپنے رب کی قیومیت اور اس کی نگرانی کا یقین کرلے گا اپنا کلی اختیار اس کے حوالے کرے گا اور اپنے کو اس کا مطیع اور منتظر حکم کر کے اس کے آگے ڈال دے گا۔

آٹھواں امر

یہ ہے کہ بندہ کو عمر بھر احکام عبودیت میں مشتغل رہنے کا حکم ہے بدلیل قول اللہ تعالیٰ کے واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین یعنی اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ آن پہنچے تجھ کو موت[1] جب اس کی ہمت رعایت عبودیت کی طرف متوجہ ہوگی یہ اس کو تدبیر و فکر کرنے کی فرصت نہ لینے دے گی۔

شیخ ابوالحسن کا قول ہے جاننا چاہئے کہ تجھ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا عبودیت میں ایک حق ہے کہ اللہ تعالیٰ بمقتضائے ربوبیت اس کو چاہتا ہے اور بندے سے اس کا مطالبہ ہوگا اور اس حق سے اور اس کی سانسوں سے جو اس کے پاس اللہ کی امانت ہے سوال ہوگا پس اہل بصیرت کو اللہ کے حقوق سے فرصت کہاں ہے کہ اپنے نفس کے لئے تدبیر کرسکیں اور اس کی مصلحتوں میں باعتبار اس کے حظوظ اور حوائج کی فکر کرسکیں اور اللہ کی منت کاملہ تک کوئی نہیں پہنچتا بدوں اس کے کہ اپنے نفس سے غائب ہو اس کے مقدمے میں زہد اختیار کرے اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں مصروف ہو اس کی موافقت کے اسباب بکثرت ہوں

---

[1] عمل بعضھم علی الموت الاختیار ۔(ملفوظات شریف)

اس کی خدمت اور معاملے پر دوام کرے پس جس قدر تجھ کو اپنے نفس سے غیبت یعنی فنا و دوری ہوگی اسی قدر بقایا اللہ میسر ہوگا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں اے وہ شخص جو اپنی راہ نجات کی طرف دوڑتا ہے اس کی درگاہ کا شائق ہے اگر چاہتا ہے کہ تیرا باطن اسرار ملکوت کے لئے کشادہ ہو جائے تو اپنے ظاہر کی طرف نظر کم کیا کر۔

نواں امر

یہ ہے کہ تو ایک تربیت یافتہ غلام ہے اور غلام کو سزاوار ہے کہ آقا کے ہوتے ہوئے کچھ غم نہ پالے اور ساتھ ہی اس کے وہ آقا افضال کے ساتھ متصف ہے اور اس کو کبھی مہمل نہ چھوڑے گا کیونکہ مقام عبودیت کی جان تو یہ ہے کہ اللہ پر کامل بھروسہ ہو اور اپنے کو اس کے حوالے کر دے اور یہ دونوں امر تدبیر و اختیار کے منافی ہیں بلکہ غلام کا کام یہ ہے کہ خدمت میں لگا رہے آقا اپنی عنایت سے آپ ہی کی اس خبر گیری کرے گا اور غلام کے ذمے خدمت کا سرانجام دینا ہے، اور آقا خود ہی اس کی روزی کا انتظام فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کو خوب سمجھ لو۔ وامر[1] اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسئلک رزقا نحن نرزقک الآیہ یعنی تم ہماری خدمت کرو ہم اپنی روزی تم کو پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔

دسواں امر

یہ ہے کہ تجھ کو انجام کار کی خبر نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں نفع سمجھ کر اس کی تدبیر کی الٹا اس میں نقصان ہو گیا اور بسا اوقات مصیبت کی راہ سے فوائد حاصل ہو گئے، اور فوائد کی راہ سے مصیبتیں اور مضرت کی راہ سے مسرت اور مسرت کی راہ سے مضرت آ گئی اور اکثر بار محنت میں منت اور منت میں محنت پوشیدہ ہوتی ہے، بہت دفعہ دشمنوں کے ہاتھ سے منفعت اور دوستوں کے ہاتھ سے ایذا پہنچتی ہے جب ایسا قصہ ہے تو عاقل سے کیسے ممکن ہے کہ اللہ کے آگے تدبیر چلائے حالانکہ اتنی خبر نہیں کہ مسرت کہاں ہے کہ اس کو حاصل کرے اور مضرت کہاں ہے کہ اس سے بچے، اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ کی دعا ہے یا اللہ ہم جس جگہ جانتے ہیں اور اس کا

---

[1] (ترجمہ یہ ہے: اور حکم کر تو اپنے گھر والوں کو نماز کا اس پر قائم رہ، نہیں مانگتے ہم تجھ سے روزی ہم روزی دیں گے تجھ کو۔ (مترجم)

طریقہ بھی جانتے ہیں وہاں تو اپنے سے ضرر دفع کر ہی نہیں سکتے، پس جس جگہ ہم جانتے نہیں نہ اس کا طریقہ معلوم ہو وہاں تو کیسے عاجز نہ ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول بس ہے عسیٰ ان تکرهوا شیئا وهو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وهو شر لکم الآیة اور بہت مرتبہ تو نے کسی بات کا ارادہ کیا ہوگا اور اللہ نے اس کو ہٹا دیا اور اس وجہ سے اپنے دل میں غم اور تنگی پائی ہوگی مگر جب اس کا انجام معلوم ہوا ہوگا تب سمجھا ہوگا کہ خدائے تعالیٰ نے تیرے واسطے کیسی شفقت فرمائی کہ تجھ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس ارادہ کرنے والے سے بدتر کون ہوگا جس کو فہم نہ ہو اور اس غلام سے بدتر کون ہوگا جس میں اطاعت نہ ہو جیسا کسی نے کہا ہے:

بہت کاموں کو میں چاہا نہیں ہونے دیا تو نے
ہمیشہ مجھ سے زیادہ مجھ پہ تیری مہربانی ہے
کیا ہے عزم اب میں نے نہ دیکھوں دل میں خطرہ بھی
مگر سمجھوں کہ یہ تیری جہت سے حکمرانی ہے
ارادہ یہ بھی ہے جاؤں نہ منہیات کے نزدیک
کہ میرے دل میں عزمت ہے تری اور کبر شانی ہے

کسی کی حکایت ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو کہتا تھا اسی میں کچھ خیر ہے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بھیڑیا آ کر اس کے مرغ کو کھا گیا، اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہوگی اسی شب اس کے کتے کے کہیں چوٹ لگی اور مر گیا اس کو اطلاع ہوئی کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہوگی پھر اس کے گدھے نے چلانا شروع کیا اور مر گیا کہنے لگا اسی میں کچھ خیر ہو گی اس کے گھر والے اس بات سے تنگ دل ہونے لگے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی شب میں کچھ بدو آئے اور محلے والوں کو لوٹا مارا اور بجز اس شخص کے اور اس کے گھر والوں کے کوئی نہیں بچا وہ بدو مرغ اور کتے اور گدھے کی آواز کے پتے پر آئے تھے اور اس کے یہ سب مر چکے تھے پس ان چیزوں کا ہلاک ہونا اس کی نجات کا سبب ہو گیا، پس پاک ہے وہ تدبیر کرنے والا حکمت والا اور جب تک انجام نہیں ظاہر ہوتا اس وقت تک اللہ کی تدبیر کی خوبی بندے کو نظر نہیں آتی اور خاص لوگوں کے مقام سے اس کو کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جن کو خدا کی طرف سے فہم عنایت ہوتی ہے وہ

تو قبل انجام ظاہر ہونے کے اللہ کی خوبی تدبیر کو مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ اس باب میں کئی طرح کے ہیں، بعض لوگوں کو اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ نے جوان کو اپنے احسان و لطف کا خوگر کر رکھا ہے اس سے وہ گردن جھکا دیتے ہیں، بعضوں کو حسن ظن اس وجہ سے ہے کہ جانتے ہیں کہ اہتمام اور تدبیر اور منازعت نہ تو تقدیر کو ٹال سکتی ہے نہ غیر مقسوم چیز کو حاصل کرا سکتی ہے، بعضوں کو اس وجہ سے حسن ظن ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ سے حکایت فرمائی ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں جس طرح کا گمان میرے ساتھ رکھتا ہے اس لئے وہ شخص حسن ظن کو اور اس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے اس امید سے کہ اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو پھر اللہ بھی اس کے گمان کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی راہیں مسلمانوں کے لئے نہایت آسان کر دیں کہ ان کے گمانوں کی موافق معاملہ فرمایا خود ارشاد فرماتے ہیں۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا اور ان سب مراتب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تسلیم و تفویض اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے نہ ایسی وجہ سے جس کا نفع لوٹ کر اپنے ہی طرف آئے کیونکہ مراتب مذکورہ بالا میں بندہ ابھی بند علل میں گرفتار ہے کیونکہ جو شخص اپنے فوائد کے لئے اس کا مطیع بنا اس کا مطیع بنا تو الطاف سابقہ کی وجہ سے ہوا اگر یہ الطاف نہ ہوتے تو یہ مطیع نہ بھی ہوتا دوسرے کا بھی یہی حال ہے کیونکہ یہ سمجھ کر کہ تدبیر سے کچھ فائدہ نہیں اگر تدبیر کو چھوڑ دیا یہ اللہ کے لئے تو نہ ہوا کیونکہ اگر اس کو تدبیر کا نافع ہونا معلوم ہو جاتا تو شاید تدبیر کو نہ چھوڑتا اور جس نے حسن ظن اور اطاعت اس لئے اختیار کی کہ میرے گمان کے موافق مجھ سے معاملہ ہو تو درحقیقت وہ اپنے حظوظ نفس میں سعی کر رہا ہے، اس کو اندیشہ صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو افضال جاتے رہیں گے، اور جو شخص اللہ کی اطاعت اور حسن ظن اس وجہ سے کرے کہ وہ عظمت الوہیت اور صفت ربوبیت کے ساتھ موصوف ہے پس یہ شخص ہے کہ حقیقت حال تک پہنچ گیا اور اس گروہ میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا جن کے حق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم[1] فرماتے ہیں کہ اللہ کے بعضے بندے ایسے ہیں کہ ان کی ایک تسبیح جبل احد کے برابر ہے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں سے اس آیت میں ترک تدبیر کا عہد لیا ہے۔ واذ

---

[1] حدیث یہ ہے ان اللہ عبادا تسبیحۃ واحدۃ منھم مثل جبل احد۔ (تنویر)

اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم الآیہ۔

کیونکہ اقرار ربوبیت گو یہ بات لازم ہے کہ اس کے آگے تدبیر نہ کریں پس یہ عہد اس وقت ہو چکا ہے کہ جب نفس بھی نہ تھا جو محل اضطراب ہے اور اللہ کے سامنے تدبیر چلاتا ہے اور اگر بندہ اس پہلی حالت پر رہتا کہ پردہ اٹھا رہتا اور حضوری میسر رہتی تو خدا کے آگے تدبیر کرنا اس سے ممکن نہ ہوتا چونکہ حجاب حائل کر دیا ہے، اس سے تدبیر و اضطراب واقع ہوا، اسی واسطے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اسرار ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کے سامنے تدبیر نہیں کرتے کیونکہ مواجہت تدبیر کو نہیں ہونے دیتی اور ان کی پکی پکی تدبیریں توڑ دیتی ہے، اور اللہ کے روبرو ایسا شخص کیونکر تدبیر کر سکتا ہے جو اس کی درگاہ میں حاضر ہے اس کی کبریا و عظمت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

(فائدہ) جاننا چاہئے کہ تدبیر و اختیار کا وبال عظیم ہے اور اس کا خطرہ شدید ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جو غور کیا تو آدم علیہ السلام میں یہی بات پائی کہ اپنے لئے تدبیر کرنا درخت کھانے کا باعث ہوا کیونکہ شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام سے وہ بات کہی تھی کہ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں دی ہے **قال ما نھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین** یعنی شیطان نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اس درخت کی کھانے سے اور کسی سبب سے منع نہیں کیا، صرف یہ وجہ ہے کہ کبھی تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی بس پڑو، آدم علیہ السلام نے جو فکر کی تو معلوم ہوا کہ محبوب کے جوار میں رہنا تو اعلیٰ درجے کا مقصود ہے اور آدمی سے جو فرشتہ ہونے کا خیال ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فی الواقع وصف ملکیت افضل ہو یا آدم علیہ السلام کے گمان میں افضل معلوم ہوا ہو،[1] پس اپنے دل میں یہ تدبیر ٹھہرا کر درخت سے کھا لیا، پس عین تدبیر ہی سے ان پر بلا آئی۔

اور اللہ کو یہی منظور تھا تا کہ ان کو زمین کی طرف اتاریں اور اس میں خلیفہ بنا دیں پس ظاہر میں تو یہ تنزل تھا اور حقیقت میں ترقی[2] تھی اسی واسطے ابوالحسنؒ نے فرمایا قسم ہے خدا کی

---

[1] قال العارف الرومی این ہمہ آنست و چوں آمد قضا ☆ دانش یک نہی شد بروے عطا ☆ کائی عجب نہیں از پے تحریم بود ☆ یا بتاویلی بدو توہم بود ☆ درد لش تاویل چوں ترجیح یافت ☆ طبع دو حیرت ہوئے گندم شتافت باغبار زخار چوں در روئے رفت ☆ قدر فرصت یافت کالا بر وقفت ۔ (مترجم)

[2] یہ ترقی الوہیت سے نزدیک ہے طرف مقام عبدیت کے جو اہل مقامات ہے۔ (ملفوظ شریف)

آدم علیہ السلام کو ان کی شان گھٹانے کے لئے نہیں اتارا بلکہ ان تکمیل کے لئے اتارا پس آدم علیہ السلام ہمیشہ ترقی میں رہے۔

کبھی معراج قرب و خصوصیت میں کبھی معراج زاری و انکساری میں اور یہ معراج عند التحقیق اکمل ہے اور ہر ایمان دار پر اس اعتقاد کا رکھنا واجب ہے کہ نبی اور رسول کی جب کوئی حالت بدلتی ہے تو اس سے کامل حالت حاصل ہوتی ہے، اس مقام میں خدائے تعالیٰ کے اس قول کو سمجھو۔ والاخرة خیر لک من الاولیٰ۔

ابن عطیہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ پچھلی حالت تمہارے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے اور جب اس کو تم پہچان چکے تو اب یہ سمجھو کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے صفات میں سے تدبیر و مشیت ہے اور اس کی مشیت میں یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ بنی آدم سے زمین کو آباد فرمائے گا اور اس میں اس کی مشیت کے موافق اچھے بھی ہوں گے اور اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہوں گے اور یہ امر اس کی تدبیر و حکمت سے تھا کہ اس کا پورا ہونا اور عالم شہادت میں ظاہر ہونا ضرور ہے پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کا اس درخت سے تناول کرنا ان کے زمین پر جانے کا سبب ہو اور ان کا زمین پر آنا مرتبہ خلافت کے ظہور کا باعث ہو جس سے آدم علیہ السلام پر منت رکھی ہے اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا وہ معصیت کیسی مبارک ہے جس نے خلافت کو ظاہر کیا اور پچھلے لوگوں کے لئے قیامت تک قانون توبہ مقرر کر دیا اور ان کا زمین پر آنا بحکم قضائے الٰہی تھا جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکا تھا اسی واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا خدا کی قسم آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے زمین پر اتار چکے ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفة یعنی میں بیشک بنا دوں گا زمین پر ایک خلیفہ پس یہ اللہ کی تدبیر کی خوبی ہے آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور ان کا زمین پر آنا اور منصب خلافت و امامت کے ساتھ ان کو مکرم بنایا جب گفتگو یہاں تک پہنچی ہم کو چاہئے ان فوائد و خصائص کو ڈھونڈیں جو اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عنایت کئے تا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ خاص لوگوں کے حالات اللہ کے ساتھ ایسے ہیں جو اوروں کو میسر نہیں اور ان کے باب میں اللہ کی

ایسی تدبیر ہے جس سے اوروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی پس آدم علیہ السلام کے کھانے اور زمین پر آنے میں چند فوائد ہیں، ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کو حق تعالیٰ کی معرفت صرف صفت رزق وعطاو احسان وانعام کی ساتھ حاصل تھی اللہ کو اپنے لطف خفی سے جو اس کی تدبیر میں ہوتا ہے، یہ منظور ہوا کہ یہ دونوں اس درخت سے کھالیویں تا کہ صفت حلم وستاری ومغفرت وتوبہ واجتبائیت کے ساتھ بھی معرفت میسر ہو جائے حلم تو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فعل کے کرتے ہی جلدی سزا نہیں دی اور حلیم اسی کو کہتے ہیں کہ جو جلدی کسی فعل پر سزا نہ دے بلکہ مہلت دے، اس کے بعد خواہ عفو وانعام ہو یا گرفت وانتقال ہو دوسری بات کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے صفت ستاری کے ساتھ اپنی معرفت ان کو دی یہ اس طور پر ہے کہ جب دونوں نے اس درخت سے کھایا اور تمام لباس جنت کے اتر کران کی شرمگاہیں کھل گئیں، برگ جنت سے ان کی پردہ پوشی فرمائی جیسا خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنة یعنی دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتوں کو ملا ملا کر رکھنے لگے یہ اس کی ستاری ہوئی تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کو یہ بتلانا منظور ہوا کہ تم ہمارے برگزیدہ ہو اور اس برگزیدگی سے دو مقام پیدا ہوتے ہیں، اس کی طرف رجوع اور توبہ کرنا اور اس کی طرف سے ہدایت ہونا پس اللہ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو ان کی برگزیدگی اور اپنی عنایت سابقہ جتلاویں پس درخت سے کھانا مقدر کردیا پھر اس کھانے کو نہ اعراض کا سبب بنایا نہ اپنی مدد ان سے موقوف کی بلکہ اس میں اپنی مودت و عنایت کا اظہار فرمادیا جیسا بزرگوں کا قول ہے جس کے حال پر عنایت ہوتی ہے جنایت اس کو ضرر نہیں پہنچاتی، بعضی دوستی کو مخالفت قطع کردیتی ہے مگر حقیقی دوستی وہی ہے جو دوست کی طرف سے دائم ہو خواہ موافقت کرو یا مخالفت اور یہ جو اللہ نے فرمایا ہے ثم اجتبہ ربہ یعنی پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کرلیا اس سے یہ مت سمجھ جانا کہ یہ اجتباء حادث ہے بلکہ وہ قبل وجود آدمؑ ہے البتہ ظہور اثر اجتبائیت بیشک حادث ہے اسی کو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ثم اجتبہ ربہ یعنی ان کو توبہ کی توفیق اور ہدایت دے کر اثر اجتبائیت وعنایت کو ظاہر فرمادیا پس اس آیت میں ثم اجتبہ ربہ فتاب علیه وھدی تین باتیں بتلائیں ایک اجتبائیت

دوسرے توبہ جو نتیجہ اجتبائیت کا ہے تیسرے ہدایت جو نتیجہ توبہ ہے اچھی طرح سمجھ لو پھر ان کو زمین پر لا کر اپنی صفت حکمت کے ساتھ ان کو اپنی معرفت دی جیسا جنت میں صرف غلبہ قدرت کے ساتھ معرفت دی تھی اور یہ اس طرح ہے کہ دنیا وسائط اور اسباب کا مقام ہے جب آدم علیہ السلام زمین پر آئے جوتنا بونا اور جس قدر سامان زندگی کی حاجت ہوتی ہے سب ان کو سکھلایا تا کہ اس چیز کو محقق کر دے جو قبل ان کے زمین پر اتارنے کے یہ کہہ کر ان کو بتلا دی تھی فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی یعنی کہیں شیطان تم کو جنت سے نہ نکال دے پھر مشقت میں پڑ جاؤ گے، پس مراد تشقی سے مشقت ہے نہ شقاوت دلیل اس کی یہ ہے کہ تشقی مفرد لائے جس میں صرف آدم علیہ السلام مخاطب ہیں تشقیا تثنیہ نہیں لائے کہ آدم وحوا دونوں مخاطب ہوتے، کیونکہ تعب وکلفت تو سب کا سب مردوں کی جان پر ہوتا ہے نہ عورتوں پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ اور اگر شقاوت مراد ہوتی جو قطع تعلق وجود حجاب سے ہوتی ہے تو فتشقیا فرماتے پس مفرد لانا دلیل ہے اس پر کہ یہاں شقاوہ نہیں جو قطع وابعاد سے ہوتی ہے پھر اگر تثنیہ بھی ہوتا تب بھی نیک گمان پر اس کو حمل کر کے یہی ظاہری تکلیفیں تاویل میں مراد لیتے۔

فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا عناد وخلاف کی راہ سے نہ تھا پس یا تو آدم علیہ السلام بھول گئے، کھانے کے وقت یاد نہیں رہا اور بعضوں کا یہی قول ہے اور اسی پر محمول ہے قول اللہ تعالیٰ کا فنسی ولم نجد لہ عزما یا یوں کہو کہ کھانے کے وقت یاد تھا پھر کیوں کھایا پس یا تو یہ وجہ ہے کہ شیطان نے یوں بہکایا کہ تم کو جو خدائے تعالیٰ نے منع کیا ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ تم فرشتہ نہ بن جاؤ یا ہمیشہ یہاں ہی رہ پڑو، چونکہ ان کو اللہ کے ساتھ محبت اور فریفتگی تھی، ایسی چیز کو پسند کیا جو اللہ کے جوار میں ان کو ہمیشہ رکھے یا ان کو فرشتہ بنا دیوے کیونکہ آدم علیہ السلام ملکیت کا قرب سے معائنہ فرما چکے تھے اس لئے درخت سے کھا لیا تا کہ رتبہ ملکیت کا حاصل کریں جو کہ واقع میں یا صرف ان کے گمان میں افضل تھا، چنانچہ علماء اور عرفاء میں اختلاف ہے، کہ ملکیت افضل ہے یا نبوت خصوصاً جبکہ اس ملعون نے قسم کھا

کر یہ بھی کہہ دیا میں تمہارا خیر خواہ ہوں آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم جھوٹی کھائے گا پس وہی ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے دونوں کو دھوکہ میں لٹکا لیا۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ آدم علیہ السلام جو کچھ کھاتے تھے اس کی گندگی نہ ہوتی تھی بلکہ پسینہ آ جاتا تھا جس میں مشک کی خوشبو ہوتی، جیسے جنت والوں کو جنت میں ہوگا لیکن جب اس درخت سے کھایا جس سے ممانعت تھی پیٹ میں درد اٹھا حکم ہوا، اے آدم یہاں کہاں موقع ہے آیا تخت پر یا چھپر کھٹ پر یا نہروں کے کناروں پر زمین پر جاؤ جہاں یہ ممکن ہے پس جب ذریعہ معصیت کے آثار آدم علیہ السلام تک پہنچے تو حقیقی معصیت کے آثار عاصی تک کیسے نہ پہنچیں گے خوب سمجھ لو۔

تنبیہ و اعتبار

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ مشابہ اس درخت کے ہے اور جنت اللہ کی حضوری ہے اور آدم تیرا قلب ہے اور حوا تیرا نفس ان دونوں کو خطاب ہوتا ہے کہ اس درخت کے پاس مت جانا کبھی ظالموں سے ہو جاؤ لیکن اتنا فرق ہے کہ آدم علیہ السلام کو عنایت گھیرے ہوئے تھی، جب انہوں نے درخت سے کھایا خلافت کے لئے زمین پر بھیج دیئے گئے اور تو اگر درخت نہی سے کھائے گا زمین عداوت پر پھینک دیا جائے گا اور تیرا دل کہ مشابہ آدم ہے مشقت میں پڑ جائے گا اور اس عداوت کی کلفت قلب کو ہوتی ہے نہ نفس کو کیونکہ ایسے وقت میں اس کے مزاج کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں یعنی تلذذات شہوات اور غفلت میں غرق ہونا۔

ترتیب و بیان

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت عنایت فرمائی صفت ایجاد کے ساتھ تو پکارا انہوں نے یا قدیر پھر صفت ارادے کے ساتھ تو پکارا یا مرید پھر صفت حکومت کے ساتھ جو اکل شجر سے منع کرنے میں تھی تو پکارا یا حاکم پھر کھانا ان پر مقدر کیا تو پکارا یا قاھر پھر کھانے کے بعد جلدی سے سزا نہیں دی تو پکارا یا حلیم پھر اس

مقدمہ میں ان کو رسوا نہیں کیا تو پکارا یا ستار پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تو پکارا یا تواب پھر اس کا مشاہدہ کرایا کہ درخت سے کھانے سے دوستی قطع نہیں کی تو پکارا یا ودود پھر ان کو زمین پر بھیجا اور سامان زندگی کا ان کے لئے آسان کر دیا تو پکارا یا لطیف پھر اپنے احکام میں ان کو قوت بخشی تو پکارا یا معین پھر کھانے اور منع کرنے اور زمین پر آنے کے اسرار کا ان کو مشاہدہ کرائے تو پکارا یا حکیم پھر ان کو دشمن اور مکار پر غالب کیا تو پکارا یا نصیر پھر بار عبودیت برداشت کرنے میں ان کی مدد فرمائی تو پکارا یا ظہیر پس زمین پر ان کو صرف اسی واسطے بھیجا کہ احکام تصریف کی تکمیل فرمادے اور احکام تکلیف میں ان کو قائم کر دے تو آدم علیہ السلام میں دونوں عبودیتیں کامل ہو گئیں عبودیت تصریف بھی اور عبودیت تکلیف بھی پس اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی منت ہے اور اس کا بڑا احسان ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

رجوع بمطلب

جاننا چاہئے کہ سب سے بڑا مقام جس میں بندے کو قائم ہونا چاہئے مقام عبودیت ہے اور تمام مقامات اس مقام کی نسبت مثل خادم کے ہیں اور دلیل اس دعویٰ کی کہ عبودیت سب سے بڑا مقام ہے اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال ہیں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا ما انزلنا علیٰ عبدنا کھیعص ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا و انہ لما قام عبداللہ یدعوہ۔

(ف) ان سب آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد فرمایا۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بادشاہ اور نبی بندہ ہونے میں اختیار دیا گیا آپ نے عبودیت کو اختیار کیا پس یہ بڑی دلیل ہے اس کی کہ یہ سب مقامات سے افضل اور تمام طریق قرب سے اعظم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[1] ہیں کہ میں تو بندہ ہوں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور فرمایا[2] کہ میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میں کچھ بڑائی نہیں کرتا میں نے اپنے شیخ ابوالعباس سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ لا فخر کے معنی یہ ہیں کہ میں سرداری پر فخر نہیں کرتا میرا فخر تو عبودیت سے ہے اور اسی کے لئے ایجاد

---

[1] حدیث یہ ہے کہ انما انا عبد لا اکل متکئا انما انا عبداللہ اکل کما یاکل العبد (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے کہ انا سیدنا ولد آدم ولا فخر (تنویر)

واقع ہوا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور عبادت صورت عبودیت ہے اور عبودیت روح عبادت جب اس کو تم نے سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ عبودیت کی روح ترک اختیار اور تقدیر سے منازعت نہ کرنا ہے پس اس سے ظاہر ہوا کہ عبودیت کی حقیقت یہ ہے کہ ربوبیت کے آگے تدبیر و اختیار ترک کردے، ہرگاہ اتمام مقام عبودیت کا جو اشرف المقامات ہے ترک تدبیر پر موقوف ہے تو بندے کو سزاوار ہے کہ اس کو ترک کردے اور تسلیم و تفویض کی راہ چلے تاکہ مقام اکمل اور مسلک افضل تک پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو قرآن پڑھتے سنا کہ آہستہ پڑھتے ہیں اور عمر کو سنا کہ پکار پکار کر پڑھ رہے ہیں۔

آپ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟

عرض کیا کہ جس سے باتیں کرتا تھا وہ تو سنتا تھا۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا تم پکار کر کیوں پڑھتے تھے؟

عرض کیا میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔

آپ نے ابوبکر کو حکم دیا کہ ذرا اپنی آواز اونچی کردو اور عمر کو حکم دیا کہ ذرا آواز کو پست کردو، ہمارے شیخ ابوالعباسؒ فرماتے تھے اس مقام پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور یہ تھا کہ دونوں صاحبوں سے ان کا ارادہ چھڑا کر اپنے ارادے کی طرف لاویں۔

تنبیہ: خدا تیرا بھلا کرے اس حدیث میں غور کر تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ اپنے ارادے سے باہر آنا تیری عبادت ہے کیونکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو ہر ایک نے وجہ وجیہ و قصد صحیح عرض کیا اس کے بعد بھی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ان کے ارادے و اختیار سے علیحدہ کر کے اپنے اختیار کی طرف لائے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل جب وادی تیہ میں داخل ہوئے اور من و سلویٰ ملنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کے لئے یہی پسند فرمایا تھا کہ بلا محنت و مشقت محض منت و احسان سے عنایت ہوتا تھا چونکہ وہ اس کے خوگر نہ تھے اور اللہ کی تدبیر کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا تھا ان کی کیفیت طبائع اسی پرانی عادت کی طرف راغب ہوئی اور کہنے لگے اپنے رب سے دعا کرو کہ زمین کے ان نباتات میں سے ہمارے لئے پیدا کرے ساگ ہے، ککڑی ہے، لہسن

ہے، مسور ہے، پیاز ہے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ادنیٰ چیز کو اچھی چیز کے بدلے چاہتے ہو شہر میں اترو وہاں تمہاری منہ مانگی چیز ملے گی اور ان پر ذلت وخواری جم گئی اور اللہ کے غضب میں پھر آئے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی پسندیدہ چیز کو جو ان کی حالت کے مناسب تھی اپنی پسند کی ہوئی چیز کے سامنے چھوڑ دیا تو ان کو بطریق توبیخ کہا گیا اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر اس کی ظاہری تفسیر تو یہی ہے کہ آیا لہسن پیاز مسور کو من و سلویٰ کے عوض میں چاہتے ہو حالانکہ یہ دونوں تو عین لذت اور بے مشقتی میں برابر نہیں۔

(ف) یعنی من وسلویٰ لذیذ ہے اور بے محنت ملتا ہے، بخلاف تمہاری خواستہ چیزوں کے کہ نہ ان میں وہ لذت ہے اور مصیبت ومشقت الگ رہی۔

اور معنی اسراری یہ ہیں کہ کیا ادنیٰ چیز کو کہ وہ تمہارا ارادہ ہے اعلیٰ سے کہ وہ ہمارا ارادہ ہے بدلنا چاہتے ہو اھبطوا مصراً فان لکم ماسالتم الآیہ اس کے معنی اسراری یہ ہیں کہ آسمان تفویض اور تدبیر واختیار ما بدولت سے اپنی تدبیر واختیار کی زمین پر اترو اور ذلت و خواری کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ اللہ کی تدبیر واختیار کے روبرو اپنی تدبیر واختیار چلاتے ہو اور اگر یہ امت تیہ میں ہوتی تو ایسی بات کبھی نہ کہتی جو بنی اسرائیل نے کہی کیونکہ ان کے انوار شفاف ہیں اور اسرار دور تک پہنچے ہیں کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ بنی اسرائیل نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا، اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون اور اسی سے تیہ میں مبتلا ہوئے اور آخر میں یہ کہا ادع لنا ربک الخ اول میں اللہ کی فرمانبرداری سے انکار کیا اور آخر میں اختیار خداوندی کے غیر کو اپنے لئے اختیار کیا اور ان سے بار بار بہت سی ایسی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت اور طریقت سے بالکل بے بہرہ تھے، کہیں کہتے ہیں ارنا اللہ جھرۃ یعنی ہم کو اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو کہیں موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش ہے اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ یعنی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو جیسا ان لوگوں کے پاس معبود ہے یہ اس وقت کہا تھا کہ دریا شگافتہ ہوا اور یہ پار اتر گئے وہاں ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے بتوں کے روبرو بیٹھک جمائے ہوئے بیٹھی تھی حالانکہ ہنوز دریا کی نمی پیروں سے خشک نہیں ہوئی واقع میں وہ ایسے ہی تھے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک تم ایسے

لوگ ہو کہ جہالت کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری حالت بیان کی۔ و اذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم خذوا ما اتینکم بقوۃ یعنی ہم نے پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا جیسا سائبان ہوتا ہے اور ان کو یقین ہوا کہ اب اگر حکم ہوا تو اختیار کرو جو احکام تم کو ہم نے دیئے ہیں ہمت کے ساتھ اور اس امت نے اپنے قلوب پر کوہ ہیبت وعظمت کو اٹھا لیا پس قوت ایمان سے کتاب اللہ کو اختیار کر لیا پس اس پر ثابت رہے اور اس امر میں تائید کیے گئے اور گوسالہ پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پسند کیا اور احکام کو اس کے لئے پسند فرمایا اور اپنے ان اقوال میں اس کی تعریف فرمائی کنتم خیر امۃ اخرجت للناس یعنی تم بہت اچھے گروہ ہو جو لوگوں کے فائدہ ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا یعنی ہم نے بنایا تم کو گروہ وسط یعنی عادل نیک پس اس سے تجھ کو ظاہر ہو گیا کہ تدبیر واختیار بڑا سخت گناہ اور وبال ہے جب تجھ کو یہ منظور ہو کہ اللہ کی طرف سے تیرے لئے اچھی بات تجویز کی جائے تو اپنی تجویز کو ساقط کر دے اور اگر یہ منظور ہو کہ تیرے لئے عمدہ تدبیر کی جائے تو اپنی تدبیر کا اس کے آگے دعویٰ مت کر اور اگر تجھ کو مراد تک پہنچنا منظور ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ اس کے آگے کچھ مراد نہ رہے اسی لئے جب با یزیدؒ سے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو؟

کہا یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔

پس ان کی آرزو اور خواہش اللہ سے یہی ہوئی کہ ان کا ارادہ جاتا رہے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ بڑی کرامت ہے اور بڑی قربت ہے کبھی خاص لوگوں سے ظاہر میں کرامتیں ہوتی ہیں مگر کچھ بقیہ تدبیر کا اس میں تخلی ہوتا ہے حقیقی اور کامل کرامت یہی کہ تدبیر کو ترک کر دے اور اس کے حکم کے آگے تفویض اختیار کرے اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دو ہی تو جامع کرامتیں ہیں کہ ایک کرامت ایمان جس سے یقین بڑھے اور عیاں مشہود ہو، دوسری کرامت عمل کہ جس میں اقتدا و متابعت ہو اور دعویٰ اور دھوکے سے اجتناب ہو جس کو یہ دونوں کرامتیں نصیب ہو گئیں پھر وہ کسی اور کرامت کا طالب ہوا پس وہ شخص یا تو فریب خوردہ جھوٹا ہے یا علم وعمل میں غلط کار ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ کی

حضوری کا اعزاز خوشنودی کے ساتھ دیا گیا پھر وہ گھوڑوں کی سائیسی کا مشتاق ہوا اور بادشاہ کی خوشنودی کا لباس اتار دیا اور کرامت کے ساتھ اللہ کا راضی ہونا اور اللہ سے راضی ہونا مقرون نہ ہو وہ کرامت والا یا تو استدراج اور دھوکے میں ہے یا ناقص ہے یا ہلاکت میں ہے، اب یہ معلوم کرو کہ کرامت کا کرامت ہونا اللہ کی رضا سے مقرون ہونے پر موقوف ہے اور لوازم رضا سے یہ ہے کہ تدبیر ترک کردے اور اس کے روبرو اختیار معدوم کردے جاننا چاہئے کہ بعضوں نے بایزیدؒ پر اعتراض کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ کچھ ارادہ نہ کریں تو یہ بھی ایک ارادہ ہے اور یہ اعتراض کسی بے علم کا ہے کیونکہ مراد بایزیدؒ کی یہ ہے کہ میں ارادہ نہ کروں کیونکہ اللہ کو ان کے اور تمام بندوں کے لئے یہ بات پسند ہے کہ ارادہ نہ کریں پس یہ اس ارادہ میں اللہ کے ارادے کے موافق ہیں۔

(ف) حاصل یہ ہے کہ مراد بایزیدؒ کی مطلق ارادے کی نفی نہیں بلکہ جو ارادہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

اسی واسطے شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں تیرا اس میں کچھ اختیار نہیں بس سنا کر اور مانا کر یہ مقام فقہ ربانی اور علم لدنی کا ہے اور یہ علم حقیقت کی زمین کے نزول کی زمین ہے جو اللہ سے حاصل کیا جاتا ہے اس شخص کے لئے جو قرار پکڑے۔

(ف) ختم ہوا کلام شیخ کا۔

پس شیخ نے اس کلام میں یہ بات بتلا دی کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ ہیں ان کا اختیار کرنا مقام عبودیت کے خلاف نہیں، جس کی بنا ترک اختیار پر ہے تاکہ کوئی عقل ناحقیقت شناس اس سے دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھنے لگے کہ وظائف اوراد اوراد اور سنن موکدہ کے ارادہ کرنے سے مقام عبودیت سے نکل جائے گا کیونکہ اختیار تو کرلیا اسی لئے شیخ نے بیان فرما دیا کہ جتنی چیزیں شرع کی پسندیدہ اور ترتیب دادہ ہیں ان میں کچھ اختیار نہیں۔

(ف) کہ اس کو چھوڑ کر بیٹھ رہے وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔

تجھ کو یہ حکم ہے کہ اپنی تدبیر و اختیار سے نکل نہ کہ اللہ اور رسول کی تدبیر سے بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لو پس تم کو معلوم ہوگیا کہ بایزید نے جو ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کیا وہ صرف اسی

وجہ سے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے کہ ارادہ نہ کریں اس ارادے کے سبب وہ عبودیت سے خارج نہیں ہو سکتے جو ان سے مطلوب ہے پس معلوم ہو گیا کہ طریق موصل الی اللہ محو کرنا ہے ارادے کا اور چھوڑنا ہے خواہش کا یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ولی کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا جب کہ اس کی ایک تدبیر و اختیار بھی باقی رہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بندہ خدا تک نہیں پہنچتا یہاں تک کہ یہ پہنچنے کی خواہش بھی اس کی منقطع ہو جائے مراد انقطاع سے واللہ اعلم انقطاع ادب معلوم ہوتا ہے نہ انقطاع ملال۔

(ف) انقطاع آرزو کبھی غایت ادب سے ہوتا ہے کہ مانگنے کو خلاف ادب جانتا ہے اگرچہ مطلوب کا شوق سینے میں مشتعل ہے اور کبھی ملال سے ہوتا ہے کہ مطلوب سے جی اکتا گیا اس لئے نہیں چاہتا تو اولیاء اللہ کو جو وصول الی اللہ کی آرزو منقطع ہوتی ہے وہ انقطاع ادب ہے نہ انقطاع ملال۔

یا یہ انقطاع اس وجہ سے ہے کہ قرب کے وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ میں تو اس قابل نہ تھا اور اپنے کو اس مقام کی اہلیت سے حقیر دیکھتا ہے اس وجہ سے خواہش وصول منقطع ہو جاتی ہے، یہ نہیں کہ اس سے جی اکتا گیا یا ہٹ گیا پس اگر چاہتے ہو تو اشراق و تنویر کو اختیار کرو ترک تدبیر کو اور اللہ کی طرف بزرگوں کی راہ سے چلو جو ان کو ملا ہے تم کو بھی ملے گا۔

چلو تم راہ پر ان کی طریقہ دل سے لو ان کا — پہنچ جاؤ گے منزل پر یہی وادی کی جانب ہے

اور ہمارے اس مضمون میں ابتدائے عمر کے چند اشعار ہیں جو کسی دوست کی خاطر سے لکھے تھے۔

اے یار قافلہ تو یہ جلدی نکل گیا — ہم یوں ہی بیٹھے رہ گئے اب تم کرو گے کیا
کیا اس پہ تم ہو راضی کہ پیچھے پڑے رہو — جھگڑے ہوس تو آہی گرا دے تمہیں ہوا
عالم کی کہہ رہی ہے زباں یہ پکار کر — جتنے ہیں کائنات یہ ہو جائیں گے فنا
راستہ نجات کا نظر اس کو ہی آئے گا — بچ کر طمع سے پھینک دے سب حق کے ماسوا
جو حق کو دید خلق سے پہلے ہی دیکھ لے — صانع کے آگے دے گا وہ مصنوع کو اڑا
جو راہ چلتے ہیں نظر آتے ہیں ان کو نور — جن کا ہے رخ ادھر ہیں سب اسرار ان پہ وا

اٹھ دیکھ خلق کو کہ محیط اس کو ہے گا نور — اور صبح قرب ہے کہ طلوع اس نے ہے کیا
ہو کر غلام اس کا تو ہو جا مطیع حکم — تدبیر چھوڑ دے کہ نہیں اس میں فائدہ
تدبیر کیا کرے گا کہ حاکم تو اور ہے — جھگڑا کرے گا حکم خدا میں کہیں بپا
اپنے ارادے اور مشیت کو محو کر — مقصود خوب سن لے کہ ہے گا یہی بڑا
اگلے یونہی چلے تھے کہ مقصد کو پا گئے — پیرو جوان کا ہو تو وہ جائے یوں ہی چلا
رو دے وہ اپنی جان کو کرتا ہو جو طلب — محبوب کی نہ دیکھی مگر ایک بھی ادا
رونا جسے ہو رو دے وہ بیٹھ اپنی جان کو — کیا عمر یوں ہی لہو میں ہو جائے گی فنا

جان تو اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے کہ اللہ کے ایسے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تادیب و تعلیم کی وجہ سے وہ لوگ اپنی تدبیر سے خارج ہو گئے پس انوار نے ان کی پختہ تدبیروں کو توڑ ڈالا اور معارف و اسرار نے ان کے کوہ اختیار کو چور چور کر ڈالا پس مقام رضا میں ان کی منزل ہو گئی اس مقام کی لذت ان کو ملی پس اللہ سے فریاد کرنے لگے اس خوف سے کہ کہیں حلاوت رضا میں مشغول ہو کر اس کی طرف مائل نہ ہو جاویں۔

(ف) یعنی تسلیم و تفویض کا ایسا غلبہ ہوا کہ رضا کا قصد کرتے بھی ڈرتے ہیں۔

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے عمر میں تدبیریں کیا کرتا تھا کہ کیا طاعتیں کروں اور اس کے کیا اسباب مہیا کروں کبھی کہتا تھا کہ میدانوں اور جنگلوں میں جا پڑوں کبھی کہتا تھا کہ شہروں اور آبادیوں میں رہوں کہ وہاں علماء اور نیکوں کی صحبت میسر ہو مجھ سے کسی نے ایک ولی کی تعریف کی جو ملک مغرب میں کسی پہاڑ پر رہتے تھے، میں اس پر چڑھا اور ان کے پاس شب کو پہنچا اور اس وقت ان کی خدمت میں جانا نا مناسب سمجھا میں نے ان کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا یا الٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں یا الٰہی میری تو یہ دعا ہے کہ تمام خلقت مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے میں نے سوچا اے دل غور تو کر یہ شیخ کس دریا سے چلو لے رہے ہیں، شب کو ٹھہرا رہا جب صبح ہوئی ان کے روبرو ہو گیا اور سلام کیا پھر پوچھا کہ جناب کیا حال ہے کہنے لگے جیسے تجھ کو حرارت تدبیر و اختیار کی

شکایت ہے مجھ کو برودت تسلیم و رضا کی شکایت ہے، میں نے عرض کیا حضرت حرارت تدبیر و اختیار سے جو مجھ کو شکایت ہے اس کا مزہ تو چکھ چکا ہوں اور اس وقت بھی چکھ رہا ہوں لیکن آپ کی جو شکایت برودت رضا و تسلیم سے ہے اس کی معنی میری سمجھ میں نہیں آئے کہنے لگے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ ان دونوں کی حلاوت اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کر دے پھر میں نے کہا کہ حضرت شب گذشتہ میں نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا کہ یاالٰہی بہت لوگ تجھ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ مخلوق کو ان کا مسخر کر دے اور تو ان کو عنایت کر دیتا ہے اور وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے ہیں یاالٰہی میری تو یہی دعا ہے کہ تمام خلقت مجھ سے ٹیڑھی ہو جائے تاکہ تیرے سوا میری کوئی پناہ نہ رہے پس تبسم فرمایا اور کہا کہ اے میرے بچے بجائے سخر لی خلقک کے یوں کہا کر یا رب کن لی یعنی اے پروردگار تو میرا ہو جا غور کر اگر ساری مخلوق تیری ہو گئی کیا تجھ کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں یہ کیسی کم ہمتی ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اسی واسطے ہلاک ہوا کہ اپنی تدبیر کی طرف رجوع ہوا اور جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے کشتی والے ساتھیوں کے لئے فرمائی تھی اس پر راضی نہ ہوا نوح علیہ السلام نے اس سے فرمایا[1]:

اے بچے! ہمارے ساتھ تو بھی چڑھ جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو، کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر جا بیٹھوں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا انہوں نے فرمایا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنے والا نہیں، ہاں مگر جس پر اسی کی مہربانی ہو پس باعتبار معنی کے اس کے کوہ عقل کی پناہ لی اور ظاہر میں جس پہاڑ کی پناہ لی تھی وہ اس جبل معنوی کی صورت تھی پس وہی حال ہوا جس کی خبر اللہ نے دی۔ وحال بینهما الموج فکان من المغرقین یعنی دونوں کے بیچ میں ایک موج کی آڑ ہو گئی اور ڈوب گیا، ظاہراً تو طوفان میں اور باطناً حرمان میں اے بندے ذرا عبرت حاصل کر جس وقت تقدیر کی موجیں تجھ پر طلاطم کریں اس وقت اپنی عقل باطل کے پہاڑ کی طرف مت رجوع کرنا کہ دریائے فراق میں میں نہ ڈوب جائے بلکہ کشتی توکل

---

[1] آیت یہ ہے کہ یا بنی ارکب معنا ولاتکن مع الکافرین قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لاعاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم ۱۲(مترجم)

میں بیٹھ جانا[1] جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی وہ سیدھی راہ پر پہنچا[2] اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کو کافی ہے جب تو ایسا کرے گا کشتی نجات تجھ کو لے کر جودی امن پر قرار پڑے گی، پھر تو اس پر جا اترے گا سلامتی قرب اور برکات وصل کے ساتھ جو نازل ہوں گی تجھ پر اور ان پر جو تیرے ساتھ جماعتیں ہیں اور وہ تیرے وجود کے عالم ہیں، خوب سمجھو غافل مت بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جاہل مت بنو، پس تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تدبیر و اختیار کا ترک کرنا بڑی ضروری چیز ہے جس کو اہل یقین لازم سمجھتے ہیں اور عبادت والے اس کو طلب کرتے ہیں اور بڑی شریف چیز ہے جس کے ساتھ اہل معرفت آراستہ ہوتے ہیں،

میں نے خانہ کعبہ کے روبرو ایک عارف سے پوچھا آپ کی واپسی کس طرف کو ہوگی؟

کہنے لگے اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری ایک عادت ہے کہ میرا ارادہ میرے قدم سے تجاوز نہیں کرنے پاتا۔

(ف) مطلب یہ کہ ارادہ بالکل مقدم نہیں ہوتا۔

بعض بزرگوں کا قول ہے اگر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں مجھ کو دونوں گھروں میں کچھ بھی تمیز نہ ہو کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، پس یہ حال ہوتا ہے اس شخص کا جس کے اختیارات اور ارادے محو ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے آگے اس کی کچھ مراد نہ رہی ہو، جیسے بزرگان پیشین سے کسی کا قول ہے کہ میری خواہش تقدیر الٰہی کے مقام میں ہے ابو حفص حداد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا، اور جس حالت کی طرف منتقل کیا اس سے ناخوش نہیں ہوا اور ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ چالیس سال سے یہ خواہش کر رہا ہوں کیونکہ مجھے کچھ کوئی خواہش نہ رہے تاکہ خواہش کی چیز ترک کر دوں مگر کوئی چیز خواہش کی نہیں ملتی۔

(ف) جس کے ترک کے لئے نفی خواہش کی خواہش کروں۔

---

[1] یہ مضمون ہے اس آیت کا ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم (مترجم)

[2] یہ مضمون ہے اس آیت کا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (مترجم)

پس یہ وہ قلوب ہیں جن کی رعایت وحمایت خود حق تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مقام عبودیت کے ساتھ ان کا محقق ہونا ربوبیت کے آگے، ان کا اختیار نہیں ہونے دیتا اور نہ گناہ کرنے دیتا، نہ کسی عیب میں آلودہ ہونے دیتا اور فرمایا[1] حق سبحانہ وتعالیٰ نے بیشک بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان پر نہیں چلتا جو اللہ پر یقین لائے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں پس جن قلوب میں شیطان کا قابو نہ چلے اس میں وسوسہ تدبیر اور اس سے قلب کا مکدر ہونا کدھر سے آویگا اور اس آیت میں اس کا بھی بیان ہے کہ جو شخص ایمان اور توکل کو ٹھیک کرے اس میں شیطان کا بس نہیں چلتا کیونکہ شیطان دو طرح سے آتا ہے یا تو عقائد میں شک ڈال دیتا ہے یا مخلوق کی طرف مائل کر کے اس پر اعتماد کراتا ہے شک کی نفی تو ایمان سے ہوگئی اور اعتماد علی الخلق کی نفی توکل سے ہو جائے گی۔

تنبیہ

جاننا چاہئے کہ مومن کو کبھی تدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کو اس میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں رہنے دیتا اور اس حالت میں نہیں چھوڑتا، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان[2] نہیں سنا کہ اللہ دوست ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف، پس حق سبحانہ وتعالیٰ اہل ایمان کو ظلمات تدبیر سے انوار تفویض کی طرف لاتا ہے اور استقلال حق کو اضطراب باطل پر غالب کرتا ہے پس وہ اس باطل کے ارکان کو ہلا دیتا ہے اور اس کی عمارت کو گرا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[3] بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر، پس وہ اس کا مغز توڑ دیتا اور وہ باطل جاتا رہتا ہے اور مومن پر اگرچہ اضطراب وتدبیر کے خطرات آتے ہیں مگر وہ گذرتے چلے جاتے ہیں ان کو ثبات نہیں ہوتا اور مضمحل ہو جاتے ہیں ان کا وجود نہیں رہتا کیونکہ نور ایمان ان کے دلوں میں ٹھہر گیا ہے اور اس کے انوار نے ان کے سرکش نفوس کو دبا دیا ہے اور اس کی چمک نے ان کے قلوب کو بھر دیا ہے اور اس کی

---

[1] آیت یہ ہے انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون (مترجم)

[2] ۔ آیت یہ ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (مترجم)

[3] آیت یہ ہے بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق (مترجم)

روشنی نے ان کے سینے کھول دیے ہیں، پس ایمان جو ان کے دلوں میں جا ٹھہرا ہے وہ اور کو نہیں بسنے دیتا بلکہ کبھی کچھ اونگھ سی ہو جاتی ہے جس میں تدبیر کی خیالی صورت کا آنا ممکن ہے، پھر ان کے دل جاگ اٹھتے ہیں وہ خیالی صورت جو ایک خواب سی تھی جاتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الذین اتقوا اذا مسهم طئف من الشیطان تذکروا فاذاهم مبصرون.

(ف) مصنف کی قرأت طئف بروزن خیف ہے، فائدہ ہم سے معلوم ہوتا ہے۔

یعنی جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب کوئی شیطانی خیال ان کو آ چھوتا ہے وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں، پس اسی وقت سوجھ والے ہو جاتے ہیں اور اس آیت میں چند فوائد ہیں:

پہلا فائدہ

اذا مسهم الخ سے معلوم ہوا کہ اصل حالت تو ان کی یہی ہے کہ ایسے وساوس سے محفوظ رہتے ہیں اگر کبھی ایسا ہوتا ہے تو اتفاقاً ہوتا ہے اس میں ان کی ودیعت ایمان بتلانا منظور ہے جو ان کے قلب میں رکھی گئی ہے۔

(ف) وجہ معلوم ہونے کی یہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ وساوس میں گرفتار رہتے تو یوں نہ فرماتے کہ جب ان کو خیال چھوتا ہے اس فرمانے سے معلوم ہوا کہ پہلے نہ تھا پھر آ چھوا۔

دوسرا فائدہ

اذا مسهم فرمایا جس کے معنی ہیں چھونا امسکم یا اخذهم نہیں فرمایا جس کے معنی ہیں پکڑنا کیونکہ مس کہتے ہیں چھو لینے کو جس کو ثبات و امتداد نہ ہو اس عبارت سے، معلوم ہوا کہ خیال شیطانی ان کے دل میں جمنے نہیں پاتا بلکہ یوں ہی ذرا چھو جاتا ہے کافروں کی طرح ان کو پکڑ نہیں سکتا، وجہ یہ کہ شیطان کفار پر تو غالب ہے اور اہل ایمان کے قلوب سے کچھ لے بھاگتا ہے جس وقت عقل جو قلب کی پہرہ دار ہے ذرا سو جاتی ہے جب بیدار ہوتے ہیں تو قلوب سے استغفار و ذلت و احتیاج الی اللہ کے لشکر اٹھتے ہیں اور شیطان جو لے بھاگا تھا اس سے واپس کرتے ہیں اور اس نے جو جھپٹا تھا اس سے چھین لیتے ہیں۔

تیسرا فائدہ

طئف کا لفظ فرمانے میں اشارہ ہے کہ جو قلوب ہمیشہ بیدار رہتے ہیں، شیطان ان

میں نہیں آسکتا، کیونکہ طیف سونے میں ہی ہوتا ہے جو کبھی قلوب پر غفلت ہونے سے طاری ہو جاتا ہے اور جو سوتا نہیں اس کے پاس طیف بھی نہیں آتا۔

چوتھا فائدہ

طیف فرمایا اور مسهم وارد یا اور اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں فرمایا کیونکہ طیف کو ثبات وجود واقعی نہیں ہوتا صرف ایک صورت مثالیہ بے حقیقت ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بتلا دیا کہ اس سے اہل تقویٰ کو ضرر نہیں ہوتا کیونکہ شیطان سے جس چیز کو وارد کیا وہ مثال طیف یعنی صورت خیالی کی جو خواب میں دیکھتے ہو جب جاگ اٹھے اس کا کچھ بھی وجود نہیں۔

پانچواں فائدہ

تذکروا فرمایا ذکروا نہیں فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ غفلت کو خالی ذکر دفع نہیں کرتا جب تک دل متوجہ نہ ہو، البتہ تذکر اور اعتبار یعنی نصیحت کو قبول کرنا اور عبرت پکڑنا اس غفلت کو دفع کرتا ہے خواہ ذکر بھی نہ ہو وہ یہ کہ ذکر کا محل تو زبان ہے اور تذکرہ کا محل قلب ہے اور طیف کا ورود قلب پر ہوا نہ زبان پر تو اس کی دفع کرنے والی چیز قلب ہی میں ہونی چاہئے کہ اس کے اثر کو مٹا دے اور وہ تذکر ہے۔

چھٹا فائدہ

تذکروا کا معمول حذف کر دیا، یوں نہیں فرمایا تذکروا الجنة یا تذکروا النار یا تذکروا العقوبة یا مثل اس کے اس حذف میں بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ تذکر جو طیف کو اہل تقویٰ کے قلوب سے مٹاتا ہے وہ علی قدر مراتب یقین کے ہے، اور مرتبہ تقویٰ میں انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور صدیقین اور صالحین اور مسلمین سب داخل ہیں، ہر ایک کا تقویٰ اس کے حال و مقام کے لائق ہے، ایسا ہی ہر ایک کا تذکر اس کے مقام کے مناسب ہے اگر تذکر کی کسی خاص قسم کو ذکر فرماتے ہیں تو صرف اسی قسم والے اس میں داخل ہوتے مثلاً اگر یوں فرماتے ان الذین اتقوا اذا مسهم طئف من الشیطان تذکروا والعقوبة فاذاهم مبصرون تو جو لوگ ثواب سے تذکر حاصل کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے اور اگر فرماتے

تذکروا سابق الاحسان یعنی یاد کرتے ہیں پہلے کے احسان کو تو جو لوگ پچھلے احسان کو یاد کرتے ہیں وہ خارج ہو جاتے وعلیٰ ھذا القیاس پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا کوئی خاص معمول ذکر نہیں فرمایا تاکہ تمام مراتب کو شامل ہو جاوے، اچھی طرح سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ

تذکروافاذاھم مبصرون فرمایا یوں نہیں کہا تذکروا فابصروا یا تذکروا ثم بصروا یا اتذکروا وابصروا پس واؤ سے تو اس لئے تعبیر نہیں فرمائی کہ اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ ابصار یعنی توجہ بسبب تذکروا کے ہوئی حالانکہ مقصود یہی بیان کرنا ہے کہ تذکر کے سبب سے ابصار ہوا تاکہ لوگوں کو اس کی رغبت ہو اور ثم اس لئے نہیں لائے کہ ایک تو اس میں وہی بات ہے جو واؤ میں مذکور ہوئی کہ سبب نہ معلوم ہوتی دوسرے اس سے مقصود ہی الٹ جاتا ہے کیونکہ ثم میں مہلت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ان کا ابصار تذکر سے تاخیر نہیں کرتا۔

(ف) بلکہ معاً تذکر کے ساتھ ہی ابصار ہے۔

اور صرف فاء اس لئے نہیں لائے کہ وہ تعقیب کو مقتضی ہے۔

(ف) یعنی یہ بھی خلاف مقصود ہے۔

بلکہ فاء کے ساتھ اذا بھی لائے اور یوں فرمایا فاذا ھم مبصرون گویا ہمیشہ سے صفت ابصار ہی پر رہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان پر کثرت احسان کو ظاہر فرماتا ہے مثلاً یوں کہو تذکر زید المسئلۃ فاذا ھی صحیحۃ یعنی زید کو مسئلہ یاد آیا، تو وہ صحیح نکلا مراد یہ ہے کہ پہلے ہی سے صحیح تھا اور اب بھی جب وہ معلوم ہوا صحیح ہے ایسے ہی اہل تقویٰ پہلے سے اہل ابصار ہیں لیکن طیف ہوئی کے وارد ہونے سے ان کی بصیرت کو جس کا نور ان میں جاگزیں ہے چھپا ڈالا تھا، پس وہ چونکہ ابر غفلت ہٹ گیا اور آفتاب بصیرت چمک اٹھا۔

آٹھواں فائدہ

اس آیت میں اور ایسے مضمون کی جتنی آیتیں ہیں ان میں اہل تقویٰ پر بڑی وسعت

ہے اور اہل ایمان کے ساتھ بڑا لطف ہے کیونکہ اگر یوں فرماتے ان الذین اتقوا لا یمسهم طئف من الشیطان یعنی اہل تقویٰ کو کبھی شیطانی خیال لگتا ہی نہیں تو بجز معصوموں کے۔

(ف) کہ وہ انبیاء اور ملائکہ ہیں۔

سب خارج ہو جاتے، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے دائرہ رحمت کو وسیع کرے اس لئے یوں فرمایا ان الذین اتقوا اذا مسهم طئف من الشیطان تا کہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ طئف کا آنا ان کو حکم تقویٰ سے اور ان پر اس نام کے جاری ہونے سے نہیں نکالتا جب کہ وہ جلدی سے تذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف تبصر کے ساتھ رجوع کریں اور اسی آیت کی مماثل وسعت رجا میں دوسری یہ آیت ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطهرین یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک ہونے والوں کو پیار کرتا ہے اور یوں نہیں فرمایا کہ ان اللہ یحب الذین لا یذنبون کہ اللہ تعالیٰ گناہ نہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے، کیونکہ اگر ایسا فرماتے تو تھوڑے سے لوگ داخل ہوتے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ بندوں کی ترکیب میں غفلت رکھی گئی ہے اور جو خلاف ورزی مادۂ انسانی کا مقتضاء ہے کیونکہ مختلف نطفوں سے بنا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور آدمی بہت کمزور پیدا ہوا ہے، بعض اہل علم نے یوں تفسیر کی ہے یعنی غلبہ شہوت کے وقت اپنے اختیار میں نہیں رہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے هو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنة یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ پیدا کیا تم کو زمین سے اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں بچہ تھے، چونکہ معلوم تھا کہ انسان پر خطا غالب ہے اس لئے باب توبہ کو کشادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی راہ بتلائی اور اس کی طرف بلایا اور وعدہ فرمایا کہ توبہ کر تو قبول کریں گے، رجوع کر تو متوجہ ہوں گے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ابن ادم خطائون وخیر الخطائین التوابون یعنی تمام بنی آدم خطا وار ہیں اور اچھے خطا وار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں پس حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتلا دی ہے کہ خطا تیرے وجود کو لازم ہے بلکہ تیرا عین وجود ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم

ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلو وھم یعلمون یعنی ایسے لوگ ہیں جب کوئی بے حیائی کر گذرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ستم کرتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پس بخشش چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی اور خدا کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے اور ہٹ نہیں کرتے اپنے فعل پر اور وہ جانتے ہیں یوں نہیں فرمایا والذین لا یعلمون الفاحشة یعنی بالکل گناہ ہی نہیں کرتے اور فرمایا واذا ما غضبوا ھم یغفرون یعنی جب ان کو غصہ آتا ہے معاف کر دیتے ہیں یوں نہیں فرمایا لا یغضبون یعنی غصہ ہی نہیں آتا اور فرمایا والکاظمین الغیظ یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے یوں نہیں فرمایا والذین لا غیظ لھم یعنی جن کو غصہ ہی نہیں اس کو خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو یہ کھلے اسرار ہیں اور یقینی امور ہیں۔

نواں فائدہ

بیان مراتب متذکرین کا اہل تقویٰ سے۔

(ف) کیونکہ تذکر ایک مفہوم عام ہے جب اس کو کسی معمول کے ساتھ مقید نہیں کیا اپنی جمیع جزئیات کو شامل ہو گیا۔

جاننا چاہئے کہ اہل تقویٰ کو جب کوئی شیطانی خیال آ لپٹتا ہے ان کو تقویٰ مولیٰ کی نافرمانی پر اصرار نہیں کرنے دیتا بلکہ ان کا تذکر یعنی یادداشت ان کو مولیٰ کی طرف پھیر لاتا ہے اور ان کا تذکر کئی قسم پر ہے بعض لوگ ثواب کو یاد کر لیتے ہیں، بعضے عقاب کو بعضے حساب کے لئے کھڑے ہونے کو بعضے ترک معصیت کے بڑے ثواب کو بعضے احسان گذشتہ کو یاد کر کے نافرمانی سے شرما جاتے ہیں، بعضے ما بعد کے احسان کو یاد کر کے اس کے عوض کفران کرتے ہوئے شرما جاتے ہیں، بعضے اللہ کا قرب یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو یاد کرتے ہیں، بعضے اللہ تعالیٰ کے عہد کو یاد کرتے ہیں، بعضے لذت گناہ کا فانی ہو جانا اور اس کے مواخذے کا باقی رہنا یاد کرتے ہیں، بعضے نافرمانی کے وبال و رسوائی کو یاد کر کے اس کو ترک کر دیتے ہیں، بعضے فرمانبرداری کے فوائد و عزت کو یاد کر کے اس راہ چلتے ہیں بعضے اللہ کی قیومیت کو یاد کرتے ہیں بعضے اللہ تعالیٰ

کی عظمت اور سلطنت کو یاد کرتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس جن جن چیزوں سے تذکر متعلق ہوسکتا ہے اوران کا حصر نہیں ہے، ہم نے اتنا بھی اس واسطے کہہ دیا کہ اہل تقویٰ کے احوال سے تجھ کو کچھ مناسبت ہو اور اہل بصیرت کے مقامات پر کچھ آگاہی ہو خوب سمجھ لو۔

دسواں فائدہ

ہوسکتا ہے کہ آیت میں مراد طیف سے وسوسہ وخطرۂ نفسانی ہو جو شیطان کے القاء سے آجاتا ہے۔

(ف) اور تقریر گذشتہ میں طیف سے مراد صورت خیالی تھی جو خواب میں نمودار ہوتی ہے۔

اس خطرے کو طیف اس واسطے کہا کہ یہ قلب میں طواف کرتا ہے، دوسری قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے **اذا مسھم طائف**.

(ف) بروزن خائف۔

پس ایک قرأۃ دوسری قرأت کی تفسیر بن جائے گی اور وسوسہ قلب کے گرد گھومتا ہے اور اگر دیوار یقین کے کسی رخنے سے اس کو راستہ مل گیا تو اندر گھس جاتا ہے ورنہ چل دیتا ہے اور مثال مقامات یقین اور نور یقین کی جو ان مقامات کو محیط ہے، ایسی ہی ہے جیسے شہر پناہ کی دیواریں کہ شہر اور قلعہ کو گھیرے ہوئے ہیں پس دیواریں تو انوار ہیں اور قلعہ جات مقامات یقین ہیں کہ شہر قلب کو گھیرے ہوئے ہیں پس جس شخص کے قلب کو دیوار یقین گھیرے ہوئے ہیں اور اس سے مقامات یقین کو کہ مثل قلعہ کے نوری احاطے ہیں درست کرلیا، اس شخص تک شیطان کی رسائی نہیں اور اس کے گھر کہیں اس کا ٹھکانا نہیں کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمانا نہیں سنا **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں یعنی چونکہ انہوں نے عبودیت کو ٹھیک کرلیا اس لئے نہ وہ میرے حکم سے منازعت کرتے ہیں نہ میری تدبیر میں معارضہ کرتے ہیں بلکہ مجھ پر توکل کرتے ہیں اور اپنے کو میرے حوالے کرتے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ ان کی رعایت ونصرت اور حمایت فرماتا ہے اور انہوں نے اپنی ہمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردیں اللہ تعالیٰ بھی ان کو سب سے کافی ہوگیا، کسی عارف سے پوچھا گیا تمہاری شیطان کے ساتھ مجاہدے کی کیا کیفیت

ہے جواب دیا شیطان کون بلا ہے ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی تمام ہمتیں اللہ کی طرف متوجہ کردیں اس نے سب سے ہماری کفایت فرمائی۔

(ف) یعنی ہم کو مجاہدے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ نمٹ لیتا ہے۔

میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو پس بعض لوگ تو اس خطاب سے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے شیطان کے ساتھ عداوت کرنا مطلوب ہے انہوں نے اپنی تمامی ہمتیں اس میں تصرف کردیں اس نے ان کو محبوب کی محبت سے غافل کردیا اور بعض لوگ یوں سمجھے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے یعنی اور میں دوست ہوں۔

(ف) لان الاشیاء تعرف باضدادھا

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں لگ گئے اللہ تعالیٰ ان کو سب سے کافی ہوگیا اس کے بعد اس عارف کی حکایت بیان فرمائی یہ لوگ اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نہ اس واسطے کہ یہ لوگ غیر اللہ کے لئے کچھ تصرف دیکھتے ہوں اور وہ لوگ غیر اللہ کے لئے کیسے تصرف دیکھ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہوئے سنتے ہیں ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ یعنی بات کسی کی نہیں چلتی سوائے اللہ کے اس نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کید الشیطان کان ضعیفا یعنی شیطان کا داؤ بالکل بودا ہے اور فرمایا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چلے گا اور فرمایا انہ لیس لہ سلطان علی الذین امنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون یعنی شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور فرمایا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کفایت کرتا ہے اور فرمایا اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور یعنی اللہ اہل ایمان کا دوست ہے، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف اور فرمایا وکان حقا علینا نصر المومنین یعنی ہمارے ذمے پر ہے حمایت کرنا ایمان والوں کی پس ان آیتوں نے اور جو ایسے مضمون

کی ہیں مومنین کے قلوب مضبوط کر دیے اور ان کی کھلی مدد کی، پس اگر شیطان سے پناہ مانگتے ہیں تو صرف اس کے فرمانے سے اور اگر نور ایمان سے ان پر غالب ہوتے ہیں تو اس کی حمایت سے اور اگر اس کے فریب سے سالم رہتے ہیں تو اس کی تائید و احسان سے شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا کہ حالت سیاحی میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ کو وصیت کی اور کہا کہ توفیق اعمال کے لئے لاحول ولا قوة الا باللہ سے بڑھ کر کوئی گفتار نہیں اور اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی پناہ لینے سے بڑھ کر کوئی کردار نہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے وہ سیدھی راہ چلا جاتا ہے پھر کہا بسم اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے مدد چاہتا ہوں فررت الی اللہ یعنی بھاگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف واعتصمت باللہ یعنی میں نے اللہ کی پناہ لی ولا حول ولا قوة الا باللہ یعنی گناہ سے بچنا اور عبادت پر قوت ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے ومن یغفر الذنوب الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کو کون بخش سکتا ہے بسم اللہ زبان کا قول ہے جو قلب سے صادر ہو افررت الی اللہ وصف روح اور سر کا ہے اعتصمت باللہ وصف عقل اور نفس کا ہے لا حول ولا قوة الا باللہ وصف ملکوت اور عالم امر کا ہے ومن یغفر الذنوب الا باللہ.

(ف) اس کلام میں اشارہ ہے لطائف اور ان کے آثار کی طرف۔

یارب شیطان کے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں بیشک شیطان کھلا بہکانے والا دشمن ہے پھر شیطان سے خطاب کر کے کہا اللہ تعالیٰ کا علم تیرے حق میں یہی ہے کہ تو عدو مضل مبین ہے اور میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور تجھ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے پناہ نہ چاہتا تیری حقیقت ہی کیا ہے جو تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہوں۔

(ف) یعنی اللہ تعالیٰ تو بڑا غالب قدرت والا ہے کسی سخت چیز سے اس کی پناہ مانگیں تو ہو سکتا ہے تو بیچارہ کیا چیز ہے۔

پس تو نے سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تجھ پر مہر ہو کہ شیطان کی ان کے دلوں میں اتنی بھی قدر نہیں کہ اس کی طرف قدرت و ارادے کو منسوب کریں اور بھید حکمت کا ایجاد شیطان میں یہ

ہے کہ وہ ایک مظہر ہے جس کی طرف اسباب عصیاں اور وجود کفران وغفلت ونسیاں کو منسوب کیا جائے تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سناوما انسنیہ الا الشیطان یعنی یوشع علیہ السلام بولے کہ مجھ کو وہ بات شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور فرمایاھذا من عمل الشیطان یعنی موسیٰ علیہ السلام بولے کہ قبطی کا خون شیطان کے عمل سے ہوا پس راز حکمت اسکی ایجاد میں یہ ہوا کہ ایسی نسبتوں کا میل کچیل اس سے پونچھا جائے اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ شیطان اس عالم کی ایک صافی ہے کہ تمام گناہوں اور زشت و ناپاک اعمال کا میل اس سے پونچھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوتا کہ معصیت نہ ہوتو ابلیس کو پیدا[1] نہ کرتا اور شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں شیطان مثل نر کے اور نفس مثل مادہ[2] کے اور دونوں کے درمیان گناہ کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ ماں باپ کے درمیان بچے کا پیدا ہونا یہ نہیں کہا کہ ماں باپ نے بچے کو ایجاد کیا بلکہ ان سے بچے کا ظہور ہوا۔

مطلب شیخ کے اس کلام کا یہ ہے کہ جیسا کسی عاقل کو اس بات میں شک نہیں کہ بچہ ماں باپ کا پیدا کیا ہوا اور ایجاد کیا ہوا نہیں مگر چونکہ ان دونوں سے اس کا ظہور ہوا، اس لئے ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اسی طرح کسی مومن کو اس میں بھی شک نہیں کہ معصیت نفس وشیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں، بلکہ ان سے اس کا ظہور ہوا ہے اسی وجہ سے ان کی طرف معصیت کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت اضافی واسنادی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقی وایجادی ہے جیسا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے طاعت کو پیدا کرتا ہے اور ایسا ہی اپنے عدل سے معصیت کو پیدا کرتا ہے خود ارشاد ہوا ہے قل کل من عند اللہ فمال ھؤلآء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ سب خدا ہی کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات ہی نہیں سمجھتے، اور فرمایا اللہ خالق کل شیء اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا ھل من خالق غیر اللہ یعنی کیا سوائے اللہ کے اور بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون یعنی پیدا

---

[1] پس ظہور و غفار و ستار کا اس سے ہوا اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ مقصود ہے حاشا وکلا وہ تو یقیناً ممنوع ہے بلکہ مقصود بیان حکمت الٰہی ہے۔ (ملفوظ اشرف)

[2] مراد نفس سے نفس امارہ ہے اور بعض نے نفس کو بادشاہ اور شیطان کو وزیر کہا ہے۔ (ملفوظ شریف)

کیا پیدا کرنے والا اور نہ پیدا کرنے والا برابر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور آیت کرشکن اہل بدعت کی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ طاعت کا خالق ہے اور معصیت کا نہیں یہ ہے واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

(ف) لفظ ما عام ہے طاعت و معصیت دونوں کو شامل ہے۔

اگر وہ لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یامر بالفحشآء یعنی اللہ تعالیٰ بری بات کا امر نہیں فرماتا تو جواب اس کا یہ ہے کہ امر اور ہے اور قضا اور ہے۔

(ف) یعنی امر کہتے ہیں حکم تشریعی کو اور قضا کہتے ہیں حکم تکوینی کو اس آیت سے نفی امر کی ہوئی اور اہل سنت مدعی قضا کے ہیں۔

اگر وہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اصابک من حسنة فمن اللہ وما اصابک من سیئة فمن نفسک یعنی جو بھلائی پہنچے تجھ کو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو ادب سکھانا مقصود ہے، پس ہم کو حکم ہے کہ اچھی چیزیں اس کی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ اس کے وجود حق کے لائق یہی ہے اور بری چیزیں اپنی طرف منسوب کیا کریں کیونکہ ہمارے وجود باطل کے مناسب یہی ہے یہ حسن ادب ہے جیسا خضر علیہ السلام نے فرمایا فاردت[1] ان اعیبھا فاراد[2] ربک ان یبلغا اشدھما یعنی کشتی کے توڑنے میں تو یوں کہا کہ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں اور بنائے دیوار کے قصے میں یوں کہا کہ تیرے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں یتیم اپنے بلوغ تک پہنچ جائیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا واذا مرضت فھو یشفین یعنی جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور خضر علیہ السلام نے یوں نہیں کہا فاراد ربک ان یعیبھا یعنی تیرے رب نے اس کشتی کو عیب دار کرنا چاہا جیسا یتیموں کے قصے میں کہا فاراد ربک ان یبلغا اشدھما پس عیب کو اپنی طرف منسوب کیا اور اچھی بات کو اپنے مولیٰ کی طرف ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا واذا مرضنی فھوا یشفینی یعنی جب مجھ کو بیمار کرتا ہے تو

---

[1] یہ مقام قرب نوافل ہے (ملفوظ شریف) [2] یہ مقام قرب فرائض ہے (ملفوظ شریف)

شفا دیتا ہے بلکہ یوں فرمایا اذا مرضت فھو یشفین پس مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اپنے رب کی طرف، باوجود یہ کہ مرض کا خالق اور فاعل حقیقی وہی ہے پس معنی ما اصابک من حسنة فمن اللہ کے یہ معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی ازروے خلق وایجاد کے اور وما اصابک من سیئة فمن نفسک کے یہ معنی ہیں کہ برائی تیری طرف سے ہے یعنی ازروئے اضافت واسناد کے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الخیر بیدک والشر لیس الیک یعنی خیر تو تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ خالق خیر وشر اور نفع وضرر کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تعبیر میں ادب کی رعایت کی اور یوں فرمایا الخیر بیدک والشر لیس الیک جیسا ہم نے اوپر بیان کیا خوب سمجھ لے اگر وہ لوگ یہ اعتراض کریں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ معصیت کے پیدا کرنے سے بھی پاک ہے کیونکہ معصیت قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پاک ہے ہم جواب دیں گے کہ معصیت بندے کے اعتبار سے فعل قبیح ہے کیونکہ حکم کی مخالفت ہے، وجہ یہ ہے کہ قبیح خود فعل منہی عنہ کی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ بسبب تعلق نہی کے اس فعل میں قبیح ہو جاتا ہے، جیسا حسن کہ فعل مامور بہ کی ذات سے تعلق نہیں ہوتا بسبب تعلق امر کے ہو جاتا ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

(ف) اور حق تعالیٰ کے اعتبار سے وہ ایک مخلوق ہے کہ اس نسبت میں حسن وقبیح دونوں مساوی ہیں۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است چوں بما نسبت کنی کفر آفت ست

پھر اہل بدعت نے جو اللہ تعالیٰ کی یہ تنزیہ کی ہے کہ معاصی کے پیدا کرنے سے وہ منزہ ہے اس تنزیہ سے اس کی تنزیہ کرنا واجب ہے جب وہ یوں کہیں کہ برتر ہے اللہ اس امر سے کہ معصیت کو پیدا کرے ہم مقابلہ میں کہیں گے برتر ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے کہ اس کے ملک میں بدوں اس کے ارادے کے کوئی چیز ہو جائے۔

(ف) یعنی اگر معصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملک میں اس کے خلاف ارادہ دوسروں کا تصرف چل سکتا ہے تو یہ عین نقصان ہے سچ ہے:

دوستی بے خبر چوں دشمنی ست حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ ہم کو تم کو سیدھی راہ چلائے اور دین راست پر اپنے فضل سے قائم رکھے۔

تقریر وبیان جس میں فوائد تدبیر ومنازعت تقدیر کا ذکر ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه ولقد اصطفیناه فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصالحین اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین، اور فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام

اور فرمایا: ملت ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل.

اور فرمایا: فله اسلموا

اور فرمایا: فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن

اور فرمایا: ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرة من الخاسرین.

اور فرمایا: ومن یسلم وجھه للہ وھو محسن فقد استمسک بالعروة الوثقیٰ

اور فرمایا: توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین.

اور فرمایا: وانا اول المسلمین.

اور بہت سی آیتیں اس مضمون کی ہیں تو اب سمجھنا چاہیے کہ اسلام کا اس طرح بار بار جگہ جگہ ذکر کرنا اس کی عالی قدری اور عظمت شان کی دلیل ہے اور اسلام کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ظاہر تو اس کا اللہ کے احکام کا بجالانا ہے اور باطن منازعت نہ کرنا، پس اسلام بدن کا حصہ ہے اور منازعت نہ کرنا اور اپنے کو حوالہ کردینا قلوب کا حصہ ہے پس اسلام مثل صورت کے ہے اور استسلام اس ظاہر کا باطن ہے پس مسلم حقیقی وہ شخص ہے جو اپنے کو اس کا مطیع بنائے ظاہر میں اس کے امتثال امر سے اور باطن اس کے حکومت کے آگے گردن جھکا دینے سے اور حقیقت مقام استسلام کی یہ ہے کہ منازعت احکام الٰہی سے بعید ہوجائے اور اپنے کو حل وعقد میں اسی کے سپرد کردے، پس جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے گا اس سے استسلام کا مطالبہ کیا جائے گا، اس سے کہو کہ دلیل[1] لاؤ۔

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (مترجم)

اگر سچے ہو تم کو معلوم نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے جب پروردگار نے فرمایا[1] اسلام لا، وہ بولے میں اسلام لایا رب العالمین کے واسطے پس جب ان کو ڈھیکلی میں بٹھلایا گیا ملائکہ نے شور مچایا، اے رب یہ تیرا خلیل ہے اس پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے تو خوب جانتا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کا حکم ہوا اے جبرئیل ان کے پاس جاؤ اگر تم سے مدد چاہیں مدد کرو اور نہیں تو میں جانوں اور میرا خلیل جانے جب جبرئیل علیہ السلام فضائی ہوا میں ان کے پاس آئے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے فرمایا تم سے تو نہیں ہے ہاں اللہ سے ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا پھر دعا کرو فرمایا: اس کو میرا حال معلوم ہونا دعا سے بس کرتا ہے، پس غیر اللہ کی انہوں نے مدد نہ چاہی، نہ ان کا قصد غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا، بلکہ حکم الٰہی کے آگے گردن جھکا دی بجائے اپنی تدبیر کے اللہ کی تدبیر پر اور بجائے اپنی نگہبانی کے اللہ کی نگہبانی پر اور بجائے اپنی دعا کے اللہ کے علم پر اکتفا کیا، کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمیع احوال میں ان پر مہربان ہے پس خدائے تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اس قول سے وابراھیم الذی وفیٰ یعنی ایسے ابراہیم جنہوں نے اپنا قول پورا کیا اور ان کو اس آگ سے بھی نجات دی جس کی خبر خود دیتے ہیں قلنا ینار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم یعنی ہم نے حکم کیا کہ اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر، اہل علم نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لفظ سلاماً نہ فرماتے تو ایسی سرد ہو جاتی کہ ہلاک کر دیتی پس وہ آگ بجھ گئی، اہل سیر نے کہا ہے کوئی آگ مشرق و مغرب میں نہ تھی جو بجھ نہ گئی ہو، ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ شاید مجھ کو خطاب ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ صرف بیڑیاں اس آگ سے جل گئیں۔

فائدہ جلیلہ

ابراہیم علیہ السلام کا جواب دیکھنے کے قابل ہے کہ جب ان سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے تو یوں فرمایا کہ تم سے حاجت نہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے حاجت نہیں، کیونکہ مقام رسالت و خلت کا مقتضا یہ ہے کہ عبودیت صریح بجا لائے اور مقام عبودیت کے لوازم سے یہ ہے کہ اللہ کی طرف حاجت ظاہر کرے اور احتیاج کے ساتھ

---

[1] آیت یہ ہے اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ (مترجم)

اس کے روبرو کھڑا ہو اور اس کے ماسوا سے قصد اٹھا لے پس یہی جواب مناسب تھا کہ تم سے حاجت نہیں یعنی اللہ کا تو محتاج ہوں مگر تمہارا نہیں، پس ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں دونوں باتیں جمع کر دیں اللہ کی طرف احتیاج کا ظاہر کرنا اور ماسوا سے قصد اٹھا دینا اور وہ بات نہیں جو بعض لوگوں نے کہی ہے کہ صوفی صوفی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس کو اللہ سے بھی حاجت نہ رہے اور یہ کلام مقتدا اور اہل تکمیل کی شان کے لائق نہیں اگرچہ تاویل اس کی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ صوفی کو یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی سب حاجتیں پوری فرما چکا ہے تو جو حاجت ہے وہ ازل میں پوری ہو چکی ہے اور حاجت کی نفی سے احتیاج کی نفی لازم نہیں آتی۔

(ف) حاصل یہ کہ بندے کو اللہ کی طرف احتیاج ضرور ہے خواہ حاجت پوری ہو چکی ہو یا نہ ہو چکی ہو اور قائل مذکور نے حاجت کی نفی کی ہے نہ کہ احتیاج کی جو کہ لوازم عبدیت سے ہے۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ جو کہا اللہ سے اس کو حاجت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ وہ خود اللہ کو طلب کرتا ہے کوئی حاجت اس سے طلب نہیں کرتا اور بڑا فرق ہے اس میں جو خود اللہ کا طالب ہو اور جو اللہ سے طالب ہو اور تیسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ جو کہا کہ اللہ سے اس کو حاجت نہ رہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دیا ہے اور اس کے آگے گردن جھکا دی ہے پس اس کی مراد وہی ہے جو اللہ کی مراد ہے۔

(ف) یعنی اپنی طرف سے کچھ حاجت نہیں مانگتا بوجہ غلبہ مقام کے۔

دوسرا فائدہ جلیلہ

جب جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا تم کو کچھ حاجت ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس جواب سے حضرت جبرئیل سمجھے کہ مجھ سے مدد نہ چاہیں گے اور ان کا قلب بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو مشاہدہ نہیں کرتا اس وقت عرض کیا کہ اچھی اسی سے سوال کرو یعنی اگر آپ نے یہ بات لازم ٹھہرا رکھی ہے کہ وسائط سے کچھ نہ چاہوں گا اور اس وجہ سے مجھ سے مدد نہیں چاہتے تو اپنے رب ہی سے سوال کرو کیونکہ وہ

آپ کے ساتھ مجھ سے زیادہ نزدیک ہے، ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا حال اس کو معلوم ہونا میرے مانگنے سے کفایت کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں نے جو غور کر کے دیکھا تو اس کو اپنے ہاتھ سے سوال سے بھی زیادہ نزدیک پایا اور سوال کو وسائط سے دیکھا اور میں سوا اس کے کسی چیز سے تمسک کرنا نہیں چاہتا، دوسرے یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے پھر سوال کر کے یاد دلانے کی حاجت نہیں اور اس سے رعایت نہ فرمانے کا احتمال نہیں، اس لئے میں نے سوال سے علم الٰہی پر اکتفا کیا، اور یقین کر لیا کہ مجھ کو اپنے لطف سے کسی حال میں نہ چھوڑے گا، یہی ہے اکتفا کرنا اللہ تعالیٰ پر اور ادا کرنا کلمہ حسبی اللہ کے حقوق کا۔

اور ہمارے شیخ ابوالعباسؒ فرماتے تھے اس آیت کی تفسیر میں و ابراھیم الذی وفیٰ کہ ابراہیم نے پورا کر دیا، حسبی اللہ کے مقتضا کو۔

(ف) یعنی جبرئیل کے جواب میں جو فرمایا حسبی اس پر جمے رہے اور کسی پر نظر نہیں کی۔

اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ کھانا دیا مہمان کو اور بیٹا دیا قربان ہونے کو اور بدن دیا آتش سوزاں کو اس پر اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی و ابراھیم الذی وفیٰ۔

تیسرا فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں یعنی آدم اور اولاد آدم، فرشتوں نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو زمین میں پیدا کرتے ہیں جو اس میں خونریزی و فساد کرے گا اور ہم تسبیح و تحمید و تقدیس کرتے ہیں یعنی ہم کو خلیفہ بنا دیجئے۔

جواب ارشاد ہوا کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ تم نہیں جانتے پس ابراہیم علیہ السلام کا جبرئیل سے مدد نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں پر بڑی بھاری حجت ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں جنہوں نے آدمی پر اعتراض کیا تھا کہ یہ فساد و خونریزی کریں گے، تم نے میرے بندے ابراہیم کو کیسا دیکھا اس سے اس قول کی شرح ہو گئی کہ ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے، حدیث شریف[1] میں آیا ہے۔

---

[1] الفاظ حدیث یہ ہیں یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار فیصعد الذین باتوا فیکم فیسالھم وھو اعلم کیف ترکتم عبادی فیقولون اتیناھم وھم یصلون وترکناھم وھم یصلون۔ (تنویر)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوبت بنوبت آتے ہیں فرشتے رات میں اور دن میں جو فرشتے شب کو دنیا میں رہے تھے، وہ آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ ہم جب گئے تھے جب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(ف) یعنی عصر کی۔

اور جب چھوڑ کر آئے ہیں جب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(ف) یعنی فجر کی، کیونکہ بدلی انہیں دو وقت میں ہوتی ہے، شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے کے یہ معنی ہیں کہ اے معترضین تم نے بندوں کو کس حال میں چھوڑا پس جبرئیل علیہ السلام کے بھیجنے سے حق سبحانہ وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ خلیل اللہ علیہ السلام کا رتبہ اور شرف وعظمت شان ملائکہ کے آگے ظاہر کردیں اور بھلا ابراہیم علیہ السلام کیسے کسی غیر سے مدد چاہتے وہ تو اسی کو دیکھتے تھے اور کسی کا مشاہدہ نہ کرتے تھے اور خلیل کو خلیل اسی واسطے کہتے ہیں کہ ان کے حلل قلب میں یعنی رگ وریشہ میں اللہ کی محبت اور عظمت اور احدیت سماگئی تھی کسی غیر کی گنجائش نہ رہی تھی جیسے کسی کا قول ہے:

مثل جاں مجھ میں ہوگیا پیوست — ہے اسی سے خلیل نعت تری
بولتا ہوں تو ہے تو میرا کلام — روزہ رکھوں تو تشنگی ہے مری

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قلب کو نور رضا سے منبسط کردیا تھا اور ان کو روح استسلام عطا فرمائی تھی اور ان کے قلب کو نظر الی الخلق سے محفوظ رکھا تھا پس آگ اسی واسطے ان پر سرد وسلامتی ہوگئی کہ ان کا قلب اطاعت کے ساتھ اللہ کے سپرد ہوگیا تھا پس استسلام سے رہے سلامت اور باطن مقام کے ٹھیک کرنے سے ہوئی یہ عزت وکرامت پس یہاں سے مومن کو سمجھنا چاہئے کہ جو موقع امتحان میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ خار کو گل اور خوف کو اماں کردیتا ہے، پس جب شیطان تجھ کو منجنیق امتحان میں پھینکنا چاہے اور کائنات تیرے روبرو آکر دریافت کریں کہ تجھ کو کچھ حاجت ہے

یہی جواب دینا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں، ہاں اللہ سے ہے، اگر کائنات یہ کہیں کہ اللہ ہی سے سوال کرے اس کا جواب دینا کہ اس کا علم میرے سوال سے کفایت کرتا ہے اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ آتش دنیا کو سرد و سلامت کرے گا اور منت اور کرامت تجھ کو عطا فرمائے گا، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے ذریعہ سے ہدایت کے راستے کشادہ کئے ہیں، اپس اہل ایمان ان کی راہ چلے اور اہل یقین نے ان کی پیروی کو لازم جانا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل هذه سبيلي ادعوا الى الله علىٰ بصيرة انا ومن اتبعني** یعنی کہہ دو اے محمد یہ میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف میں بھی سوجھ والا ہوں اور میری اتباع کرنے والا بھی اور یونس علیہ السلام کی شان میں فرمایا **فاستجبنا له ونجيناه من الغم وكذلك ننجي المؤمنين** یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کی اور غم سے نجات دی اور اہل ایمان کو ہم یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں یعنی جو اہل ایمان قدم بقدم یونسؑ کے چلتے ہیں اور ان کے انوار کے مشتاق ہیں اور اللہ سے ذلت واحتیاج کے ساتھ مانگتے ہیں اور مسکنت اور انکسار کا لباس پہنتے ہیں ہم ان کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔

رجوع بمطلب

ابراہیم علیہ السلام کے اس قصے میں بیان ہے عبرت والوں کو اور ہدایت ہے بصیرت والوں کو اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی تدبیر سے نکلتا ہے اللہ اس کے لئے بخوبی تدبیر کر دیتا ہے، دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ اپنی ذات کے لئے تدبیر واہتمام نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالے کر کے اس پر توکل کیا انجام اس اطاعت کا سلامتی اور عزت اور تعریف کا باقی رہنا مدت گذر جانے پر ہوا اور ہم کو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی ملت سے خارج نہ ہوں اور ان کے نام رکھنے کا لحاظ رکھیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے **ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل** یعنی ملت اختیار کرو اپنے باپ ابراہیم کی انہوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پہلے سے پس جو شخص ابراہیمی ہو اس کو سزاوار ہے کہ اپنے تدبیر کرنے میں بری ہو اور اعتراض سے خالی ہو اور ملت[1] ابراہیم سے وہی اعراض کرے گا جو سفیہ ہو اور ان

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف و من یرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه۔ (مترجم)

کی ملت کو لازم ہے تفویض الی اللہ اور اطاعت فی احکام اللہ اور جاننا چاہئے کہ مقصود اعظم یہ ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مراد باقی نہ رہے اور ہمارے اس مضمون میں اشعار ہیں۔

(ف) جاننا چاہئے کہ ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کو متکلم اور بندے کو مخاطب قرار دیا ہے گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے وہ اشعار یہ ہیں:

چاہتا ہوں دے مراد اپنی بھلا ۔۔۔ رشد کا راستہ اگر ہے چاہتا
چھوڑ دے اپنا وجود اس کو نہ دیکھ ۔۔۔ تھام لے مضبوط حلقہ صبر کا
کب تلک مجھ سے ہے غفلت میں تو ہوں ۔۔۔ تیری الفت اور رعایت میں سدا
کب تلک دیکھے گا مخلوقات ۔۔۔ اور پھرے گا جنگلوں سر مارتا
میرے در کو چھوڑ جاتا ہے کہاں ۔۔۔ راہ سے بے راہ کیوں تو ہو گیا
ہے قدیمی تجھ سے میری دوستی ۔۔۔ عہد قالوا حق میں میرے ہی ہوا
ہے ترا رب کوئی جس سے ہو امید ۔۔۔ لے تجھے محشر کی سختی سے بچا
جس قدر مخلوق ہے عاجز ہے سب ۔۔۔ کر رہا عاجز کو ہے عاجز ندا
مجھ سے سب مخلوق کو ہے گا قیام ۔۔۔ کُن سے ہے ظاہر مظاہر کو کیا
میرے گھر میں اور میرے ملک میں ۔۔۔ اعتماد اوروں پہ ہے تو نے کیا
چشم ایماں تیز کر اور دیکھ تو ۔۔۔ خلق ساری ہوتی جاتی ہے فنا
ہے عدم سے راستہ سوئے عدم ۔۔۔ تو بھی اس میں جائے گا بے شک چلا
تجھ پہ ہے خلعت مرا وہ مت اتار ۔۔۔ اور رخ امید خلقت سے ہٹا
میرے در پہ لا امیدیں اپنی سب ۔۔۔ مال تجھ سے کچھ نہیں میں مانگتا
دیکھ اپنی حیثیت اور رہ ذلیل ۔۔۔ آرزو سب تری آوے گی برآ
بندہ بن جا بندہ ہو جاتا ہے خوش ۔۔۔ جو کہ مولیٰ نے اٹھا کر دے دیا
وصف ہے اپنے مٹادوں تیرا وصف ۔۔۔ دوں عناد وجہل کی تجھ کو سزا
کیا تو میرے ملک میں ہے گا شریک ۔۔۔ جو وضوح حق پہ بھی جھگڑا کیا
گر رسائی چاہے اس دربار کی ۔۔۔ بس عدو ہوجا تو اپنے نفس کا

ڈوب بحر نیستی میں ہم کو دیکھ ۔ بہر محشر ہم کو تو اپنا بنا
ہم سے کر باران رحمت تو طلب دیکھ پھر کرتے ہیں ہم احسان کیا
غیر سے مت کر ہدایت تو طلب ہے کوئی بتلائے تجھ کو راستہ

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ تدبیر دو قسم کی ہے ایک تدبیر محمود دوسری تدبیر مذموم تدبیر مذموم تو وہ تدبیر ہے جس کا حظ تیری طرف لوٹ کر آئے ادائے حق اللہ کے لئے نہ ہو، جیسے تدبیر کرنا کسی گناہ کی تحصیل میں یا کسی حظ نفسانی میں غفلت کے ساتھ یا کسی طاعت میں نمائش اور شہرت کے ساتھ اور مثل اس کے یہ تمام تر مذموم ہے یا تو اس وجہ سے کہ اس سے استحقاق عذاب ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس سے وقوع حجاب ہوتا ہے اور جو شخص نعمت عقل کو پہچانے گا وہ اس کو ایسی چیز کی تدبیر میں صرف کرتے ہوئے شرمائے گا جو اس کو قرب الٰہی تک نہ پہنچائے اور اس کی محبت کا سبب نہ بن جائے اور جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنی منت سے بندوں کو عطا فرمائی ہیں عقل ان سب میں افضل ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر دو چیزوں سے فضل فرمایا، ایک ایجاد دوسرا دوام امداد۔

(ف) یعنی اول وجود عطا فرمانا پھر اس کو بقا دینا۔

اور ہر مخلوق کیلئے ان دو نعمتوں کا ہونا ضروری ہے نعمت ایجاد و نعمت امداد اور اس تقریر سے اللہ تعالیٰ کے معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں ورحمتی وسعت کل شیء یعنی میری رحمت سب چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

(ف) یہ وہی رحمت ہے جو مذکور ہوئی۔

لیکن چونکہ ان دو نعمتوں میں تمام مخلوق شریک تھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایک کو دوسری سے امتیاز دے تا کہ تعلقات ارادہ و مشیت کی وسعت ظاہر ہو جائے پس بعض موجودات کو تو صفت نمو سے ممتاز کیا جیسے نباتات وحیوانات و انسان پس بہ نسبت موجودات غیر نامیہ کے یعنی جن میں نمو نہیں ان تینوں میں قدرت کا زیادہ ظہور ہے۔

(ف) کیونکہ ان میں ایک وصف یعنی نمو زیادہ ہے۔

پھر چونکہ یہ تینوں وصف نمو میں شریک تھے حیوانات اور انسان کو حیات دے کر نباتات سے امتیاز دیا اب اس وصف میں حیوان اور آدمی شریک رہے تو بہ نسبت نباتات کے ان دونوں میں ظہور قدرت زیادہ ہوا اب یہ منظور ہوا کہ آدمی کو حیوان سے ممیّز کرے پس اس کو عقل عنایت فرمائی اور اس کی وجہ سے تمام حیوانات پر بزرگی بخشی اور اس کی بدولت اپنی نعمت انسان پر کامل فرمائی اور عقل ہی کی افزونی اور روشنی سے دونوں جہان کے کام بنتے ہیں پھر اس نعمت عقل کا تدبیر دنیا میں صرف کرنا جو خدا کے نزدیک بالکل بے قدر ہے اس نعمت کی بڑی ناشکری ہے اور معاد کے اہتمام و اصلاح میں اس کا لگا دینا واسطے ادائے حق محسن کے جس سے اس نور کا فیضان ہوا نہایت مناسب ہے پس اپنی عقل کو جو اللہ نے اپنی منت سے دی ہے تدبیر دنیا میں مت صرف کر جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدنیا جیفۃ قذرۃ یعنی دنیا مردار گندگی ہے اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک سے تمہاری غذا کیا ہے عرض کیا گوشت اور دودھ یا رسول اللہ! فرمایا پھر وہ کیا ہو جاتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ جو ہو جاتا ہے آپ جانتے ہیں، فرمایا آدمی سے جو نجاست نکلتی ہے اس کو اللہ نے دنیا کی مثال بنایا ہے۔

اور فرمایا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا کی قدر کے نزدیک اتنی بھی ہوتی جتنی مچھر کا پر، تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ پلاتا۔

اور جس شخص نے اپنی عقل کو دنیا میں جو ایسی گندی ناپاک ہے صرف کیا، اس کی ایسی مثال ہے، جیسے بادشاہ نے کسی کو بڑی عظمت و شان کی ایک تلوار دی جو اور رعایا کو دینا گوارا نہیں کرتا اور اس واسطے دی کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرے اور اس کو باندھ کر آراستہ و مزین ہو، یہ تلوار لینے والا مردار لاشوں کی طرف چلا اور اس تلوار سے اس کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کی چمک بے آب ہو گئی اور دھار کند ہو گئی، اور اس کی خوبی و رونق جاتی رہی جب

---

[1] حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم للضحاک ما طعامک قال اللحم واللبن یا رسول اللہ قال یعود الیٰ ماذا قال الیٰ ماقد علمت یا رسول اللہ قال فان اللہ یخرج من ابن آدم مثلاً للدنیا۔ (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم لو کانت الدنیا تزن عند اللہ جناح بعوضۃ ماسقی کافر منہا شربۃ ماء۔ (تنویر)

بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگی نہایت زیبا ہے کہ اس سے تلوار چھین لے اور اس کی بدکرداری پر سخت سزا دے اور اپنی توجہ دعنایت سے اس کو محروم کردے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دو قسم پر ہے ایک محمود دوسری مذموم، تدبیر محمود وہ تدبیر ہے جو تجھ کو اللہ پاک سے نزدیک کرے، جیسے یہ تدبیر کرنا کہ مخلوق کے حقوق سے بری ہو جاؤں یا تو حقوق ادا کر کے یا معاف کرا کر اور توبہ کرنا خدائے تعالیٰ سے اور ان چیزوں کی فکر کرنا جو ہوائے نفسانی کا قلع قمع کردیں جن سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور شیطان سے بچنے کی فکر کرنا جو لوگوں کو بہکاتا ہے اور یہ سب محمود، اس میں کوئی شک نہیں، اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ ایک ساعت کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے اور دنیاوی تدبیر بھی دو طرح کی ہے ایک تو دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کے لئے، دوسری دنیا کی تدبیر کرنا آخرت کے لئے، اور دنیا کی تدبیر کرنا دنیا کے لئے تو یہ ہے کہ اس کے اسباب وسامان جمع کرنے کی تدبیر کرے واسطے افتخار اور دولت بڑھانے کے اور جس قدر اس میں افزائش ہوتی جاتی ہے اور غفلت اور دھوکہ بڑھتا جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بجا آوری احکام سے غافل کر دے اور نافرمانی کا باعث ہو جائے اور دنیا کی تدبیر آخرت کے لئے یہ ہے جیسے کوئی شخص تجارت اور پیشہ اور زراعت کی تدبیر اس نیت سے کرتا ہے کہ حلال روزی کھاؤں گا، اور فاقے والوں کو اس میں سے دوں گا اور اپنی آبرو لوگوں سے بچاؤں گا اور جو شخص دنیا کو اللہ کے لئے طلب کرتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ زیادہ حاصل نہ کرے اور اندوختہ نہ رکھے لوگوں کے کام اس میں سے نکالتا رہے، اہل حاجت کو اپنے پر مقدم رکھے اور زاہد کی دو علامتیں ہیں ایک علامت دنیا نہ ملنے کے وقت دوسری ملنے کے وقت، دنیا ملنے کے وقت تو زہد کی پہچان یہ ہے کہ محتاجوں پر ایثار کرے اور نہ ملنے کے وقت یہ ہے کہ بے چینی نہ ہو پس ایثار تو نعمت وجدان کا شکر ہے اور راحت نعمت فقدان کا شکر ہے اور یہ ثمرہ فہم وعرفان کا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا جیسا دنیا کے ملنے میں انعام ہے اسی طرح نہ دینے میں بھی بلکہ یہ نعمت زیادہ کامل ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں دنیا کی مجھ سے دور رکھیں اس میں

---

[1] حدیث یہ ہے فکر ة ساعة خير من عبادة سبعين سنة۔ (تنویر)

زیادہ نعمت بہ نسبت اس کے کہ مجھ کو عطا کیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں میں نے ابوبکر صدیقؓ کو خواب میں دیکھا ارشاد فرمایا کچھ خبر ہے دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی کیا پہچان ہے میں نے عرض کیا، مجھ کو معلوم نہیں۔

فرمایا دنیا کی محبت قلب سے خارج ہونے کی پہچان یہ ہے کہ ہوت میں خرچ کرے اور نہ ہوت میں چین سے بیٹھا رہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا مذموم نہیں بلکہ مذموم وہ ہے جو اپنے واسطے طلب کرے نہ رب کے واسطے، اور دنیا کے لئے طلب کرے نہ آخرت کے واسطے۔

پس لوگ دو قسم کے ہوئے ایک وہ شخص جو دنیا کو دنیا کے لئے طلب کرے دوسرا وہ جو دنیا کو آخرت کے لئے طلب کرے، کسی مبتدی صوفی نے کسی کامل صوفی دولت مند سے کہا تھا نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد۔

انہوں نے جواب میں فرمایا "اگر دارد برائے دوست دارد"

میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا فرماتے تھے عارف دنیا نہیں رکھتا کیونکہ اس کی دنیا آخرت کے لئے ہوتی ہے اور آخرت رب کے لئے، اسی پر محمول کئے جائیں گے احوال صحابہ اور سلف صالحینؒ کے جب کبھی وہ لوگ اسباب دنیا میں داخل ہوئے اس سے ان کو اللہ کا قرب مقصود تھا اور اس کی رضا کے اسباب پیدا کرنے تھے دنیا اور اس کی زینت اور لذت مقصود نہ تھی، حق تعالیٰ نے بھی ان کا یہی وصف فرمایا **محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا، سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** الآیہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں، دیکھے گا تو ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، ڈھونڈ رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضا مندی کو ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے، سجدے کے اثر سے اور دوسری آیت میں فرمایا **فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار** یعنی اللہ کا نور ان گھروں میں ہے کہ اللہ

نے حکم فرمایا کہ وہ گھر اونچے کئے جائیں اور ان گھروں میں ان کا نام پاک ذکر کیا جائے اس میں اللہ کی تسبیح صبح و شام ایسے لوگ کرتے ہیں کہ غافل نہیں[1] کرتی ان کو سوداگری اور سودا سلف اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے، ڈرتے ہیں وہ لوگ ایسے دن سے کہ بدل جائیں گے اس میں قلوب اور نگاہیں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا یعنی ایسے لوگ کہ سچ کر دکھلایا انہوں نے جو کچھ اللہ سے عہد کیا تھا پس بعضے تو ان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی منت پوری کر دی اور بعض انتظار میں ہیں اور انہوں نے عہد کو بالکل نہیں بدلا اور اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں اور ایسے لوگوں پر گمان ہو سکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور مخاطب قرآن بنانے کے لئے پسند کیا پس قیامت تک کوئی مسلمان نہیں جس کی گردن پر صحابہؓ کے بے شمار اور یاد رکھنے کے قابل احسان نہ ہوں کیونکہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے حکمت اور احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچایا، اور حلال و حرام کو بیان کیا اور خاص و عام کو سمجھایا اور اقالیم اور شہر فتح کئے اور مشرکین اور معاندین کو زیر کیا اور سچ ہے جو کہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم یعنی میرے سب یار مثل ستاروں کے ہیں جس کے پیچھے لگ لوگے راہ مل جائے گی، اور حق تعالیٰ نے پہلی آیت میں (محمد رسول الله والذین معه الخ) ان کے بہت سے اوصاف ذکر فرمائے، یہاں تک کہ فرمایا: یبتغون فضلاً من الله ورضوانا یعنی وہ لوگ اللہ کے فضل و رضا کو ڈھونڈتے ہیں پس اللہ تعالیٰ جو ان کے اسرار میں مطلع ہیں اور ان کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہ خبر دے رہا ہے کہ ان کو اپنے مقاصد میں دنیا مطلوب نہیں اور بجز رضا و فضل خداوندی کے دوسرا مقصود نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداوة والعشی یریدون وجهه یعنی جم کر بیٹھا کر وان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کی رضا

---

[1] اصطلاح صوفیہ میں اس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں۔ (ملفوظ شریف)

مندی، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلادی کہ سوائے خدا کے کچھ ان کی مراد نہیں اور اس کے سوا ان کا کچھ مقصود نہیں، اور دوسری آیت میں یوں فرماتا ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی ان گھروں میں صبح وشام ایسے لوگ کہ غافل نہیں کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے قلوب پاک ہوگئے اور ان کے انوار کامل ہوگئے اسی واسطے دنیا ان کے قلوب کو پکڑ نہیں سکتی اور ان کے چہرہ ایمان پر خراش نہیں کرسکتی اور دنیا ایسے قلوب میں کیونکر جاسکتی ہے جن کو اللہ نے اپنی محبت سے بھر دیا ہو اور اپنے قرب کے انوار اس میں روشن کردیئے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ قابو نہ چلے گا پس اگر دنیا کا زور ان کے دلوں پر چلتا تو شیطان کا بھی بس چلتا کیونکہ شیطان کی رسائی ان قلوب تک نہیں جن کے انوار زہد[1] روشن ہوں اور جب دنیا کے میل سے پاک وصاف ہوگئے ہو، پس مطلب **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** کا یہ ہے کہ نہ تیرا اور نہ کسی مخلوق کا قابو چل سکتا ہے کیونکہ میری عظمت کا غلبہ جو ان کے قلوب پر ہے وہ میرے سوا کسی کا غلبہ وہاں تک آنے نہیں دیتا پس آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف فرمایا ہے کہ تجارت اور بیع ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ تجارت اور بیع نہیں کرتے بلکہ اس آیت کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ بیع اور تجارت جائز ہے تم نے کیا یہ قول نہیں سنا **اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ** پس اگر غنا سے منع فرمانا منظور ہوتا تو سبب غنا سے بھی کہ بیع وتجارت ہے، منع فرماتے دیکھو **ایتاء الزکوٰۃ** میں جب زکوٰۃ کو واجب فرمایا اس سے صاف واضح ہوا کہ جن لوگوں کے یہ اوصاف مذکور ہوئے ان میں بعض غنی بھی ہوتے ہیں اور پھر بھی تعریف کے قابل رہتے ہیں جب کہ اپنے مولیٰ کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عثمانؓ جس روز شہید ہوئے ہیں ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم تھے اور اریس وخیبر اور وادی القریٰ کے درمیان میں کچھ زمینیں تھیں جن کی قیمت دو لاکھ دینار تھی اور زبیرؓ کے ترکہ کا آٹھواں حصہ پچاس ہزار دینار تھے۔

---

[1] شعر۔ آسکے غیر مرے خانہ دل میں کیسے ☆ کہ خیال رخ دلدار ہے دربان اپنا (ملفوظ شریف)

(ف) اور پورا ترکہ چار لاکھ دینار ہوئے اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے اور عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے اور عبدالرحمٰن بن عوف کا غنی ہونا اتنا مشہور ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا ان حضرات کے ہاتھوں[1] میں تھی دلوں میں نہ تھی جب نہ ملی تھی صبر کیا جب ملی شکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ابتدائے امر میں ان کو فاقے میں مبتلا فرمایا یہاں تک کہ ان کے انوار کمال کو پہنچ گئے اور اسرار پاک ہو گئے پھر ان کو دنیا[2] دی کیونکہ اگر پہلے ہی مل جاتی تو شاید ان پر اثر کرتی چونکہ بعد تمکین اور رسوخ یقین کے ملی اس میں اس طرح تصرف کیا جیسے امانت دار خزانچی تصرف کرتا ہے اور اس ارشاد کو پورا بجالائے **وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ** یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو خلیفہ کیا۔

(ف) حاصل یہ کہ مالکانہ تصرف نہ کرتے تھے بلکہ چاکرانہ کرتے تھے اسی مقام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اول امر میں جہاد کرنے سے اس ارشاد میں کیوں ممانعت فرمادی تھی **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** یعنی معاف کرو اور درگذر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے وجہ یہ کہ اگر ابتدائے اسلام میں جہاد کی اجازت ہوتی تو شاید بعض نو مسلموں کو جو اجازت ملتی تو اپنا ذاتی بدلہ لینے لگتے اور خرابی نیت کی خبر بھی نہ ہوتی یہاں تک کہ حضرت علیؓ جب کوئی ضرب مارتے تھے اس کے ٹھنڈے ہونے تک ٹھہرے رہتے تھے پھر دوسری ضرب لگاتے تھے اس اندیشے سے کہ شاید اس کے پیچھے اگر معاً ماروں تو کہیں نفس کی آمیزش نہ ہو جائے اس کا باعث یہ تھا کہ آپ نفس کے چھپے دھوکوں کو پہچانتے تھے اور بڑی حفاظت صحابہ کو دلوں کی تھی اور اپنے اعمال کو خالص کرنے کی اور اندیشہ ناک رہتے تھے کہ ان کے عمل میں ایسی چیز نہ مل جائے جس سے رضائے مولیٰ مقصود نہ ہو پس دنیا صحابہ کے ہاتھ میں تھی نہ دلوں میں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابہؓ دنیا سے علیحدہ رہتے تھے اور دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم رکھتے تھے، حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں: **یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان خصاصۃ** یعنی اوروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھتے ہیں اگر چہ خود ان پر

---

[1] بقول مولانا روم شعر۔ آب در کشتی ہلاک کشتی ست.... آب اندر زیر کشتی پشتی است (ملفوظ شریف)

[2] پس ایسا ہوا جیسا منتر سکھلا کر سانپ ہاتھ میں دیا۔ (ملفوظ شریف)

فاقہ ہو یہاں تک کہ کسی صحابی کی پاس ایک بکری کی سری ہدیہ آئی فرمایا فلاں شخص مجھ سے زیادہ مستحق ہے ان بزرگ نے اور کسی کا نام بتلا دیا انہوں نے اور کا نام لے دیا یوں ہی ایک دوسرے کے پاس بھیجتے رہے یہاں تک کہ سات آٹھ آدمیوں میں گھوم گھام پھر پہلے صحابی کے پاس لوٹ کر آئی اور اس کی کافی دلیل ہے حضرت عمرؓ کا نصف مال سے علیحدہ ہو جانا اور ابو بکرؓ کا کل مال سے علیحدہ ہو جانا اور عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹ لدے لدائے دیدینا اور حضرت عثمانؓ کا جیش تبوک کے لئے سامان کر دینا اور بہت سے عمدہ کام اور اچھے حالات ان کے منقول ہیں اور دوسری آیت جو ہے رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ الخ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پوشیدہ صدق کی خبر دی ہے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور بہت بڑی تعریف اور فخر کی بات ہے کیونکہ ظاہر افعال میں باعتبار علم مخلوق کے کبھی حالات مشتبہ ہو سکتے ہیں ان آیات سے ان کے ظاہر اور باطن کا تزکیہ ہوتا ہے اور ان کے محامد اور مفاخر ثابت ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تدبیر دنیا دو قسم پر ہے ایک تدبیر دنیا کی واسطے دنیا کے واسطے دنیا کے جیسا دور افتادہ اہل غفلت کا حال ہے دوسری تدبیر دنیا کی۔ واسطے آخرت کے جیسا صحابہ کرام اور سلف صالحین کا حال تھا اور اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نماز میں اپنے لشکر کا سامان درست کرتا ہوں کیونکہ حضرت عمرؓ کی تدبیر معائنہ اور حضوری کی حالت میں تھے سو وہ تدبیر اللہ کے واسطے تھی اسی لئے نماز فاسد ہوئی، نہ کمال میں نقصان آیا، اگر کوئی اعتراض کرے کہ تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ ان میں سے کوئی دنیا کا طلب نہ تھا حالاں کہ یوم احد میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو یوں فرمایا[1] کہ بعض تم میں سے کوئی دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ کا قول ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ ہم میں کوئی دنیا کا طالب ہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ اب اس کا جواب سمجھ لو اللہ تم کو سمجھنے کی توفیق دے اور اپنے کلام کے سننے کے لائق کرے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صحابہ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور ان کی بزرگی کا معتقد رہے اور ان کے جمیع اقوال و افعال و احوال کو خواہ رسول اللہ صلی

---

[1] آیت یہ ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ۔ (مترجم)

اللہ علیہ وسلم کے وقت کے ہوں یا بعد کے اچھے وجود پر محمول کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی پاکی بیان کی تو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابی کالنجوم الحدیث میں مطلق ارشاد فرمایا اور اس آیت کے دو جواب ہیں۔

جواب اول

آیت کا یہ ہے کہ بعضے تم میں سے دنیا چاہتے تھے یعنی آخرت کے واسطے جیسے وہ لوگ جنہوں نے غنیمت لینا چاہا تھا کہ اس میں سے خرچ وایثار کر کے اللہ سے نیک معاملہ کریں اور بعضوں کا یہ مقصود نہ تھا صرف فضیلت جہاد ہی حاصل کرنا مطلوب تھا، انہوں نے غنیمت کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھا نہ اس کی طرف التفات کیا، پس صحابہؓ میں بعض فاضل و کامل تھے، بعضے افضل واکمل ناقص کوئی نہ تھا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ آقا اپنے خاص غلام کو جو چاہے کہے ہم کو اس غلام کے ساتھ ادب لازم ہے کیونکہ اس کو آقا سے نسبت خاص ہے یہ نہیں کہ آقا اپنے غلام کو جو کہے ہم بھی وہی نسبت کریں یا اس کو خطاب کرنے لگیں کیونکہ آقا تو غلام کو اس واسطے جو چاہے کہہ لیتا ہے کہ اس کو خدمت کی رغبت پیدا ہو اور اس کی ہمت وعزم کو ترقی ہو اور ہم کو حدود ادب کا لحاظ رکھنا ضرور ہے اور اگر قرآن مجید میں تلاش کیا جائے، بہت سے ایسے مضامین نکلیں گے، مثلاً ایک سورہ عبس ہی ہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کوئی چیز چھپاتے تو اس سورت کو ضرور چھپا لیتے اس سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط تدبیر جو ممدوح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اسباب دنیا اور فکر مصالح میں بقصد طاعت مولیٰ وکار آخرت کے بھی داخل نہ ہو بلکہ تدبیر ممنوع وہ ہے کہ دنیا کی تدبیر دنیا ہی کے لئے کرے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ذریعہ نافرمانی بن جائے اور حلال وحرام سے اس کو سمیٹنا شروع کرے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ اشیاء کا مذموم ومحمود ہونا ان کے نتائج کے اعتبار سے ہے پس تدبیر مذموم وہ ہے جو اللہ سے غافل اور ادائے خدمت مولیٰ سے معطل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے اور تدبیر محمود وہ ہے جس کی یہ شان نہ ہو بلکہ اللہ کا قرب بخشے اور اس کی رضا مندی تک

پہنچائے اسی طرح دنیا علی الاطلاق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مذموم وہ ہے جو مولیٰ سے غافل کرے اور آخرت کے لئے سامان کرنے سے باز رکھے، جیسے بعض عارفین کا قول ہے جو چیز تجھ کو اللہ سے غافل کردے خواہ بیوی ہو یا مال ہو یا اولاد ہو وہ تیرے حق میں منحوس ہے اور دنیائے ممدوح وہ ہے جو طاعت الٰہی میں معین ہو اور خدمت مولیٰ میں سرگرم اور مستعد کردے۔

الحاصل جو اچھے کاموں کا ذریعہ ہے وہ ممدوح اور جو برے کاموں کا ذریعہ ہے وہ مذموم ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ دنیا مردار گندی سڑیل ہے اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم اور فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی میں سے جو نجاست نکلتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کی مثال بنایا ہے ان احادیث کا مقتضاء یہ ہے کہ وہ مذموم ہو اور لوگ اس سے نفرت کریں۔

اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] ہے۔

کہ دنیا کو برا مت کہو کہ ایماندار کے لئے خوب سواری ہے اسی پر سوار ہو کر خیر حاصل کر سکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے، پس جس دنیا پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے وہ دنیا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اسی واسطے آپ نے حدیث میں استثناء فرمایا کہ الا ذکر اللہ الخ یعنی مگر ذکر اللہ کا اور جو اس کے متعلق ہو اور عالم اور طالب علم تو آپ نے بیان فرمادیا کہ یہ چیزیں دنیا میں داخل نہیں اور جس دنیا کی نسبت فرمایا کہ برا مت کہو یہ وہ دنیا ہے جو تم کو طاعت الٰہی تک پہنچادے اسی واسطے حضرت نے فرمایا کہ وہ ایمان والے کے لئے خوب سواری ہے، سو سواری ہونے کے اعتبار سے اس کی مدح فرمائی نہ اس حیثیت سے کہ وہ دھوکہ اور گناہوں کا مقام ہے پس تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ترک تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ بالکل اسباب سے کنارہ اختیار کرلے یہاں تک کہ انسان ضائع ہونے لگے پھر لوگوں پر بار ہو جائے اور اللہ کی حکمت جو اثبات اسباب اور ارتباط وسائط میں ہے اس سے جاہل بن جائے۔

---

[1] حدیث یہ ہے الدنیا ملعونۃ ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ و عالم او متعلم ۔(تنویر)

[2] حدیث یہ ہے لا تسبوا الدنیا نعمت مطیۃ المؤمنین علیھا یبلغ الخیر وبھا ینجو من الشر ۔(تنویر)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی عابد پر آپ کا گذر ہوا اس سے فرمایا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا بھائی مجھ کو کھانے کو دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے یعنی تیرا بھائی اگرچہ بازار میں رہتا ہے مگر تجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہے کیونکہ وہی تو طاعت میں تیرا معین ہے اور تجھ کو عبادت کے لئے فارغ کر رکھا ہے اور اسباب میں قدم رکھنے کا کیسے انکار ہو سکتا ہے جب کہ یہ آیتیں آ چکیں واحل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی خرید و فروخت اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا واشھدوا اذا تبایعتم یعنی گواہ کر لیا کرو، جب بیع و شراء کرو اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ حلال روزی جس کو آدمی کھائے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی ہو اور داؤد علیہ السلام دستکاری سے کھاتے تھے اور فرمایا ہے سب سے اچھی کمائی دستکاری ہے جب دغا و فریب نہ کرے۔

اور فرمایا[2] ہے جو سوداگر امانت دار سچا مسلمان ہو وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہو گا ان آیات اور احادیث کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ اسباب کی مطلقاً مذمت کی جائے لیکن جو اللہ سے غافل کر دے اور اس کے معاملے سے باز رکھے وہ بے شک مذموم ہے اور اگر تو یہ اسباب بالکل چھوڑ کر تجرید اختیار کرے مگر اللہ سے غفلت ہو تب بھی مذموم ہے اور آفات صرف اہل اسباب ہی پر نہیں پڑتے بلکہ اہل تجرید بھی مبتلا ہوتے ہیں اللہ کے قہر[3] سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اس مہر کی ہو، بلکہ بعض اوقات اہل تجرید پر آفت سخت آتی ہے کیونکہ اہل اسباب پر تو یہی آفت ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہوتے ہیں مگر مدعی نہیں ہوتے ظاہر باطن ان کا یکساں ہے اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں، جو لوگ فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگے ہیں ان کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں اور اہل تجرید کی آفتیں یہ ہیں کہ کبھی عجب پیدا ہو جاتا ہے یا تکبیر یا نمائش یا تصنع یا مخلوق کے واسطے طاعت الٰہی سے آراستہ ہونا تاکہ ان کا مال حاصل کر لے اور کبھی یہ آفت ہوتی ہے کہ مخلوق پر اعتماد اور سہارا ہو جاتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی تعظیم نہ کریں تو ان کی مذمت کرتا ہے اور جو خدمت نہ کریں تو ان پر ناخوش ہوتا ہے پس جو

---

[1] حدیث یہ ہے احل ما اکل المؤمن کسب یمینہ وان داؤد نبی اللہ کان یاکل من کسب یمینہ۔ (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشھداء یوم القیٰمۃ۔ (تنویر)

[3] آیت کا یہ مضمون ہے لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم۔ (مترجم)

شخص اسباب میں غفلت کے ساتھ ڈوبا ہے اس کی حالت اس سے بدرجہا بہتر ہے اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں درست کرے اور ہمارے نفوس کو اپنے فضل وکرم سے آفات سے پاک کرے۔

فصل شاید اس کلام سے تو یوں سمجھ جائے کہ مجرد و متسبب ایک مرتبے میں ہیں۔

(ف) کیونکہ آفت دونوں پر آتی ہے اور محفوظ بھی دونوں رہ سکتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات نہیں اور جس شخص نے اپنے کو اللہ کی عبادت کے لئے فارغ کر دیا اور اپنے اوقات کو اس کے ساتھ مشغول کر دیا، خدائے تعالیٰ ہرگز اس کو اس شخص کے مثل نہیں کرے گا جو اسباب میں داخل ہوتا ہے اگرچہ اس میں تقویٰ رکھتا ہو پس اگر متسبب اور مجرد کا مقام باعتبار معرفت الٰہیہ کے برابر ہو اس وقت مجرد ہی افضل ہے اور اس کا شغل اعلیٰ اور اکمل ہے اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ مثال متسبب اور مجرد کی ایسی ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک سے تو فرمایا کہ کماؤ اور کھاؤ، دوسرے کو حکم ہوا کہ تم ہمارے دربار میں حاضر خدمت رہا کرو، تمہاری حاجت کا ہم انتظام کر دیں گے سو اس غلام کا رتبہ آقا کے نزدیک زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا اس کی عنایت کی بڑی دلیل ہے، علاوہ یہ ہے کہ اسباب میں داخل ہو کر نافرمانی سے بچنا اور صفائی عبادت نصیب ہونا شاذ و نادر ہے، کیونکہ ناجنسوں سے بسر کرنا ہوگا اہل غفلت اور عناد سے ملنا ہوگا اور بڑا معین طاعت پر مطیعین کا دیکھنا ہے اور بڑا باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا گناہ والوں کا دیکھنا ہے، جیسا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[1] ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو ذرا دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو، کسی شاعر نے کہا ہے:

آدمی کو پوچھ مت دیکھ اس کا یار	یار اپنے یار کا ہے مقتدی
ہو جو اس میں شر تو ہو جلدی جدا	خیر گر ہو ل کے ہو تو مبتدی

اور نفس میں خاصیت ہے کہ جس سے ملتا ہے اس کے ساتھ تشبہ کرتا ہے اور اس کی نقل اتارتا ہے اور اس کی صفات سے متصف اور مشابہ ہو جاتا ہے پس غافلین کی صحبت نفس کے لئے اور معین غفلت بن جاتی ہے کیونکہ اصل وضع میں غفلت اس کے مناسب ہے، ہرگاہ

---

[1] حدیث یہ ہے کہ المرء علیٰ دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔ (تنویر)

اس کے ساتھ ایک سبب بھی مل جائے کہ وہ مخالفت غافلین ہے اس وقت تو کیا حال ہوگا اور
اے بھائی تجھ کو اللہ توفیق دے تو اپنا ہی حال دیکھ لے کہ جب تو گھر سے نکلتا اور جب تو
لوٹ کر آتا ہے دونوں وقت میں ایک سا حال نہیں ہوتا گھر سے جانے کے وقت تجھ پر انوار کا
غلبہ ہوتا ہے سینہ کشادہ ہوتا ہے طاعت کی ہمت ہوتی ہے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور
لوٹتے وقت یہ حالت نہیں ہوتی اور یہ مقامات نہیں رہتے جس کا سبب صرف کدورت
مخالطت ہے اور ظلمت اسباب میں قلوب کا غرق ہونا اور اگر یہ بات ہوا کرتی کہ اسباب و
معاصی کے جانے سے ان کا اثر بھی جاتا رہا کرتا تو بے شک قلوب کے لئے سیر الی اللہ سے
بعد انفصال و زوال کے مانع نہ ہوتے مگر ان کا حال تو آگ کا سا ہے کہ جلنا موقوف ہو
جائے مگر سیاہی باقی رہتی ہے اور اہل اسباب کو دو چیزوں کی بڑی ضرورت ہے علم اور تقویٰ،
علم کے ذریعہ سے تو حلال و حرام کو جانے گا اور تقویٰ کی وجہ سے ارتکاب گناہ سے بچے گا،
حاجت علم کی تو اس لئے ہے کہ جو متعلق احکام معاملات بیع و سلم و صرف وغیرہ کے ہیں ان کو
جاننا ضرور ہے ساتھ ہی اس کے جو جو واجبات و فرائض معینہ ہیں ان کا علم بھی ضروری ہے۔

(ف) تاکہ فوت نہ ہو جائیں۔

تنبیہ و اعلام

چند امور کا التزام اہل تسبب کو رکھنا چاہئے۔

اول امر

قبل گھر سے نکلنے کے اللہ کے ساتھ پورا عزم کر لیں کہ اگر مجھ کو کوئی شخص رنج
پہنچائے گا تو معاف کر دوں گا کیونکہ بازار ایسا موقع ہے جس میں جھگڑا بات چیت ہو ہی جاتی
ہے، اسی واسطے فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم ابی ضمضم کے برابر بھی نہیں ہو سکتے
اس کی عادت تھی کہ گھر سے نکلتے وقت دعا کرتا یا اللہ میں نے اپنی آبرو مسلمانوں پر تصدق کر دی۔

دوسرا امر

قبل باہر نکلنے کے مناسب ہے کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے اور اللہ سے دعا

---

[1] حدیث یہ ہے ایعجز احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذا خرج من بیتہ قال اللھم انی تصدقت بعرضی علی المسلمین ۔ (تنویر)

کرے کہ اس جانے میں سلامتی رہے کیونکہ اس شخص کو معلوم نہیں کہ کیا مقدر ہے کیونکہ بازار میں جانے والا ایسا ہے جیسا لڑائی میں جانے والا پس مسلمان کو زیبا ہے اعتصام و توکل کی زرہ پہنے جو دشمنوں کے تیروں سے اس کو بچائے۔

(ف) یعنی بازار میں شیطان کا پورا دخل ہے اس کے اور اس کے لشکر جن وانس کے مکائد سے پناہ مانگنا ضرور ہے۔

اور جو اللہ کی پناہ میں آیا اس کو سیدھی راہ ملی اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو کافی ہے۔

تیسرا امر

جب گھر سے جانے لگے تو مناسب ہے کہ اپنے اہل وعیال اور گھر کو اور گھر کی چیزوں کو اللہ کے سپرد کر دے کہ اللہ کی حفاظت اس میں زیادہ ہوتی ہے اور یہ آیت پڑھ دے **فاللہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین** یعنی اللہ اچھا نگہبان ہے اور وہ سب مہر والوں سے زیادہ مہر والا ہے اور یہ دعا جو حدیث میں آئی ہے پڑھ دے **اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل وولد والمال** کیونکہ اللہ کے سپرد کرنے میں امید ہے کہ لوٹ کر ان کو اچھی حالت میں پائے گا، کسی شخص نے سفر کیا اور اس کی بی بی حاملہ تھی جب سفر کو جانے لگا کہا یا اللہ جو اس عورت کے پیٹ میں ہے تجھ کو سونپتا ہوں اتفاق سے اس کے پیچھے وہ بیوی مر گئی جب سفر سے آیا اس کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ تو حالت حمل میں مر گئی۔

جب شب ہوئی قبرستان میں ایک نور نظر آیا وہ اس کی تاک پر چلا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس عورت کی قبر سے نور نکل رہا ہے اور ایک بچہ اس کی چھاتیوں سے دودھ پی رہا ہے ایک ہاتف نے آواز دی کہ تو نے ہم کو بچہ سونپا تھا وہ تو نے پایا اگر دونوں کو سونپ جاتا تو دونوں کو پاتا۔

چوتھا امر

جب گھر سے نکلنے لگے تو مستحب ہے کہ یہ دعا پڑھے **بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ** اس کہنے سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے۔

پانچواں امر

لوگوں کو اچھے کام بتلائے بری باتوں سے منع کرے اور اس کو نعمت قوت وتقویٰ کا شکر

سمجھے جو کہ اللہ نے اس کو عنایت کی ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرے الذين ان مكنا هم في الارض أقاموا الصلوة واتوا الزكوة وامروا بالمعروف وانهو عن المنكر ولله عاقبة الامور یعنی ایسے لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک باتیں بتلائیں اور برے کاموں سے منع کریں اور اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا، پس جس شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہو اور کسی طرح کا صدمہ اس کی جان یا آبرو یا مال کو نہ پہنچے تو وہ قدرت والوں میں داخل ہے اور وجوب اسکے ساتھ متعلق ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلے صدمہ پہنچے یا بعد میں صدمہ پہنچنے کا ظن غالب ہو اس وقت وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے۔

چھٹا امر

سکون و وقار کے ساتھ چلے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هوناً واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً یعنی اللہ کے خاص بندے ایسے ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے اور جب بات چیت کرتے ہیں ان سے جاہل لوگ کہتے ہیں وہ ملنساری کی بات اور یہ سکون و وقار کچھ چلنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ امر مطلوب یہ ہے کہ تیرے سب افعال میں سکون ہو اور ہر امر میں استقلال ہو۔

ساتواں امر

یہ کہ بازار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی [1] ہے کہ غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا بھاگنے والوں میں لڑنے والا بازار میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا مردوں میں زندہ اور بعض بندگان پیشین کی عادت تھی کہ خچر پر سوار ہو کر بازار جاتے، اور اللہ کا ذکر کر کے واپس آتے اور خاص اسی واسطے جایا کرتے۔

آٹھواں امر

بیع و شرا اور کسب معاش میں یا وقت جماعت پر نماز پڑھنے سے غافل نہ ہو کیونکہ ان اشغال کے سبب اگر نماز ضائع کر دے تو اللہ کے غضب اور کمائی میں بے برکتی کا مستحق ہوتا

[1] حدیث یہ ہے ذاکر الله فی الغافلین کا مقاتل بین الفارین ذاکر الله فی السوق کا اکلی بین للوتی ۱۲ (تنویر)

ہے اور اس سے شرمانا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندے کو ایسی حالت میں دیکھے کہ اپنے حظوظ نفسانی میں اپنے رب کے حقوق سے غافل ہو جائے اور بعض سلف کی یہ عادت تھی کہ اپنا کام کر رہے ہیں ہتوڑہ اٹھایا ہے کہ مؤذن کی آواز سنی اس کو پیچھے ہی چھوڑ دیا تا کہ طاعت کی طرف بلائے جانے کے بعد کچھ بھی مشغول نہ ہو اور جب مؤذن کی آواز سنے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے یاقومنا اجیبوا داعی اللہ یعنی اے ہمارے لوگو اللہ کے پکارنے والے کا کہا مانو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یایھا الذین امنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اے ایمان والو کہا مانو اللہ کا اور رسول کا جب تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہاری حیات کا باعث ہو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے استجیبوا لربکم یعنی اپنے رب کا کہا مانو اور حضرت[1] عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ میں نعل مبارک درست فرماتے اور خادم کو سہارا لگا دیتے جہاں اذان ہوئی اس طرح چل کھڑے ہوتے گویا ہم سے کچھ جان پہچان ہی نہیں۔

نواں امر

قسم نہ کھائے اور اپنی چیز کی حد سے زیادہ تعریف نہ کرے اور اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]، سوداگر لوگ فاجر ہیں مگر جو نیکی کرے اور سچ بولے۔

دسواں امر

غیبت اور چغل خوری سے زبان بند کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرو و لا یغتب بعضکم بعضا الخ یعنی آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ ضرور تم کو برا لگے گا، اور جاننا چاہئے کہ غیبت سننے والا بھی مثل غیبت کرنے والے کے ہے، پس اگر اس کے سامنے کسی کی غیبت کی جائے تو اول تو انکار کرنا چاہئے اور اگر کوئی اس کی بات نہ سنے تو وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہو اور خلقت کی حیا اللہ

---

[1] حدیث یہ ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی بیتہ تخصیف النعل ویعین الخادم فاذا نودی للصلوۃ قام کان لا یعرفنا۔ (تنویر) [2] حدیث یہ ہے التجار الفجار الامن برد صدق۔ (تنویر)

کے لئے کھڑے ہو جانے سے باز نہ رکھے، کیونکہ اللہ سے شرم کرنا زیادہ زیبا ہے اور اللہ و رسول کا راضی رکھنا لوگوں کے راضی رکھنے سے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[1] ہے کہ غیبت[2] چھتیس زنا سے جو حالت اسلام میں ہوں زیادہ شدید ہے۔

شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ فقیر متسبب کے چار اسباب ہیں اگر فقیر ان سے خالی ہے تو اس کی کچھ قدر نہ کرو گو سارے جہاں سے علم میں زائد ہو ایک تو ظالموں سے کنارہ کرنا اور دوسرے آخرت والوں کو ترجیح دینا، تیسرے فاقوں والوں کی غم خواری کرنا، چوتھے پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنا اور واقعی شیخ نے سچ فرمایا کیونکہ ظالموں سے کنارہ کرنے میں دین کی سلامتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ظالموں کی صحبت نور ایمان کو تاریک کر دیتی ہے اور ان سے کنارہ کرنا عذاب الٰہی سے بھی بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** یعنی ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی لگے تم کو آگ اور یہ جو فرمایا کہ آخرت والوں کو ترجیح دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھے اور ان سے فیوض اور برکات حاصل کرے تاکہ کدورت اسباب پر زور آور رہے ان اولیاء اللہ کے برکات اور آثار اس پر ظاہر ہوں اور اکثر اوقات اسباب میں بھی ان سے مدد پہنچتی ہے اور ان کی محبت اور اعتقاد کی بدولت معصیت سے محفوظ رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ فاقے والوں کی غم خواری کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے پر واجب ہے کہ اللہ کی جو نعمت اس کے پاس ہو اس کا شکر کرے پس جب اسباب تجھ پر کشادہ فرمائے تو ان کا خیال کر جن پر اسباب کے دروازے بند ہیں۔

(ف) یعنی اسباب میں بے سامانوں کا خیال رکھ۔

اور جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کا امتحان اہل فاقہ سے اور اہل فاقہ کا امتحان اغنیاء سے فرمایا ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ اتصبرون**

---

[1] حدیث یہ ہے الغیبۃ اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ فی الاسلام۔ (تنویر) [2] کیونکہ غرور میں استکبار ہوتا ہے اور زنا میں ندامت وانکسار پس غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے۔ (ملفوظ شریف)

وكان ربك بصيراً یعنی کیا ہم نے بعضے تمہارے کو واسطے بعضے کے آزمائش آیا صبر کرتے ہو اور ہے پروردگار تیرا دیکھنے والا اور فاقہ والوں کا وجود اہل غناء پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان کو ایسے لوگ ملے جو ان کے بوجھ آخرت تک اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اگر غنی چاہے کہ اپنا مال واسباب آخرت میں بھیجوں تو یہ امر محتاجوں کے ذریعے سے ممکن ہے۔

اور ان کو ایسے لوگ ملے کہ جہاں انہوں نے لیا تو اللہ نے لے لیا اور اللہ خود غنی محمود ہے اگر اللہ تعالیٰ فقیر کو نہ پیدا کرتا تو اغنیاء کے صدقات کیسے مقبول ہوتے اور ایسے لوگوں کو کہاں پاتے جو ان سے لے لیویں اسی واسطے فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص حلال مال سے صدقہ دے اور اللہ حلال ہی مال قبول کرتا ہے تو گویا وہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اس کو پالتا ہے جیسے تم میں کوئی شخص اپنا بچھڑا یا اونٹ کا بچہ پالا کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(ف) یعنی اس کا ثواب بڑھتا رہتا ہے۔

اسی واسطے قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ صدقہ دینے والے کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو اس کا صدقہ لے لیوے اور یہ جو فرمایا شیخ نے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فقیر متسبب کو یہ امر میسر نہ ہو کہ اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہو کر خاص طور پر خدمت واطاعت میں لگا رہے تو اتنا ضرور ہے کہ پانچ وقت کی نماز جماعت سے فوت نہ ہو تا کہ یہ التزام جدید انوار وحصول بصیرت کا موجب ہو اور فرمایا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس حصہ زیادہ بزرگی رکھتی ہے اور دوسری حدیث میں ستائیس حصہ آئے ہیں۔

اور اگر یہ امر مشروع کر دیا جاتا کہ ہر شخص اپنی دکان اور گھر میں نماز پڑھ لیا کرے تو مسجدیں ساری بیکار ہی ہو جاتیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے في بيوت[3] اذن الله

---

[1] حدیث یہ ہے من تصدق بصدق من كسب طيب ولا يقبل الله تعالى الا طيباً كان كانما يضعها في كف الرحمن يربيها له كما يربي احدكم فلوة اوفيلة حتى ان للقمة لتعود مثل جبل احد۔ (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے تفضل صلوة الجماعة على صلوة الفذ بخمس وعشرين درجة وفي الحديث الآخرة بسبع وعشرين جزءاً۔ (تنویر) [3] یہ آیت مع ترجمہ اوپر گذر چکی ہے۔ (مترجم)

ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والآصال رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله الآیة

دوسری وجہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں قلوب مجتمع رہتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں آپس میں اتفاق رہتا ہے مسلمانوں کا یکجا دیکھنا میسر ہوتا ہے۔

اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور یہ بات ہے جب جماعت مجتمع ہوتی ان کے قلوب کے برکات حاضرین پر رکھتے ہیں اور ان کے انوار پاس والوں پر پھیلتے ہیں اور ان کا مجتمع اور متصل ہونا مثال ایک لشکر کے ہوتا ہے، کہ جب وہ مجتمع اور متصل ہوتا ہے تو غلبے کا سبب ہوتا ہے اور آیت کے ایک یہ بھی معنی ہیں ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفاً کانهم بنیان مرصوص یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے ایک مکان ہو جس میں سیسہ بھرا ہو۔

ضمیمہ

اور اے ایمان والے تجھ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کام کے لئے نکلنے کے وقت سے لوٹنے تک اپنی نگاہ ناجائز چیز کے دیکھنے سے پست رکھے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد کرے **قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلک ازکیٰ لهم** یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے کہدو کہ نیچی کریں اپنی نگاہیں اور محفوظ رکھیں اپنی شرمگاہیں یہ بات بڑی ستھری ہے ان کے واسطے اور یہ بات جاننا چاہئے کہ نگاہ اللہ کی بڑی نعمت ہے سو نعمت الٰہی کی ناشکری نہ کرنا چاہئے اور یہ ایک امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہئے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہئے یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو چھپاتے ہیں سینے اور فرمایا الم یعلم بان الله یریٰ یعنی کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جب کسی نامشروع چیز دیکھنے کا ارادہ دل میں آئے تو یہ سمجھ لے کہ وہ دیکھتا ہے اور جاننا چاہئے کہ جب کوئی اپنی نگاہ ناجائز چیز سے پست کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو کشادہ فرمائے گا یہ پوری جزا ہے پس

---

[1] حدیث یہ ہے ید الله مع الجماعة۔ (تنویر)

جو شخص عالم شہادت میں اپنی جان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ عالم غیب میں اس پر کشادگی فرماتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ کسی شخص نے اپنی نگاہ حرام چیز سے پست نہیں کی مگر اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی حلاوت پاتا ہے۔

رجوع بمطلب

جاننا چاہئے کہ تدبیر کرنا اللہ کے آگے اہل بصیرت کے نزدیک ربوبیت کا مقابلہ کرنا ہے وجہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز یعنی بلا وغیرہ تجھ پر پڑے اور تو اس کو اٹھانا چاہے یا کوئی چیز یعنی رزق تجھ سے اٹھائی جائے اور تو اس کا مقرر کرنا چاہے یا کسی ایسے امر میں تو فکر کرے جس کو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے اور تیرے لئے انتظام کرنے والا ہے سو یہ ربوبیت کا مقابلہ ٹھہرے گا اور حقیقت عبودیت سے نکلنا قرار دیا جائے گا، اس مقام میں قول خداوندی کو خیال کرے فرمایا اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفة فاذا ھو خصیم مبین یعنی کیا آدمی نے دیکھا نہیں اس بات کو پیدا کیا ہم نے اس کو نطفے سے پس یکایک کھلا جھگڑالو نکلا، پس اس آیت میں آدمی کو توبیخ کی گئی ہے چونکہ وہ اپنی اصل پیدائش سے غافل ہوا اور پیدا کرنے والے سے جھگڑا نکالا اور اپنی ابتداء کے بھید سے ناواقف ہو کر ابتداء کرنے والے سے منازعت شروع کی اور جس کی پیدائش نطفے سے ہو اس کو کیسے لائق ہے کہ اللہ سے احکام میں جھگڑا کرے اور اس کے توڑ جوڑ میں مخالفت کرے، پس احتیاط کر اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے تجھ پر اللہ کی مہر ہو اور جاننا چاہئے کہ مطالعہ غیب سے بڑا حجاب قلب کے لئے تدبیر کرنا اور بات یہی ہے کہ نفس کے لئے تدبیر کرنے کا منشاء نفس کی محبت ہے اور اگر نفس سے فنا ہو کر بقاء باللہ حاصل کر تجھ کو اپنے واسطے تدبیر کرنی اور بذات خود تدبیر کرنے سے غائب کردے اور ایسا بندہ کس قدر قبیح ہے کہ اللہ کے افعال سے جاہل ہو اللہ کی عنایت سے غافل ہو کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا قل کفیٰ باللہ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ اللہ کافی ہے پس اللہ کو کہاں کافی سمجھتا ہے جو شخص اس کے آگے تدبیر چلاتا ہے اور اگر اللہ کو کافی سمجھتا تو یہ اعتقاد اس کو اللہ کے آگے تدبیر چلانے سے برطرف کر دیتا۔

تنبیہ واعلام

جاننا چاہئے کہ اکثر تدبیر کا طاری ہونا طالبین اور مریدین پر رسوخ یقین اور حصول تمکین سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ اہل غفلت اور بدکردار لوگ تو کبائر اور خلاف شرع اور اتباع شہوات میں شیطان کہ کہنا مان چکے ہیں تو اب شیطان کو کون ضرور ہے کہ ان کو تدبیر کی طرف بلائے اور اگر بلائے تو وہ جلدی سے قبول کرلیں سو ان کے حق میں یہ بڑا جال نہیں بلکہ تدبیر کو اہل اطاعت اور طالبین پر داخل کرتا ہے کیونکہ دوسرے طریقہ سے ان پر دسترس نہیں، پس بعض اوقات اہتمام تدبیر اور فکر مصالح صاحب ورد کو اس کے ورد یا حضور سے معطل کردیتی ہے بعض صاحب ورد کو شیطان کمزور دیکھتا ہے تو خفیہ تدبیریں اس کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ صفاء وقت کو روک دے کیونکہ وہ تو حاسد ہے اور حاسد کا بڑا حسد اس وقت ہوتا ہے کہ تیرے اوقات صاف ہوں اور تیرے حالات اچھے ہوں، پھر تدبیر کے وسوسے ہر شخص کو اس کی حالت کے موافق آیا کرتے ہیں جس شخص کو آج یا کل کے گذارے کے لائق تدبیر کرنا ہو اس کا تو علاج یہ ہے کہ یقین رکھے کہ اللہ آپ میرے رزق کا کفیل ہے خود اس کا ارشاد ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے اور مفصل کلام باب رزق میں اس کے بعد ایک مستقل باب میں آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، اور جس شخص کی تدبیر کسی دشمن کے دفعیہ میں ہو جس کے مقابلہ کی اس کو طاقت نہیں پس اس امر کا یقین کرے کہ جس سے یہ ڈرتا ہے اس کی چوٹی حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کچھ نہیں کرسکتا مگر جو کچھ خدا کرے اور ان آیات کو خیال کرے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کو بس ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے الیس اللہ بکاف عبدہ ویخوفونک بالذین من دونہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور دھمکاتے ہیں تجھ کو ان لوگوں سے جو جو خدا کے سوا ہیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا، وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذوفضل

عظیم یعنی اہل ایمان ایسے ہیں کہ ان سے جو لوگوں نے کہا کہ اہل مکہ نے تمہاری لڑائی کے واسطے سامان ولشکر جمع کیا ہے سوتم ان سے ڈرو تو ان کا اور بھی ایمان بڑھ گیا اور جواب دیا کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ اچھا کارساز ہے پس اپنے گھر لوٹ کر آئے اللہ کی نعمت اور فضل لے کر کہ نہیں لگی ان کو کچھ رنج کی بات اور پیروی کی انہوں نے خدا کی رضامندی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور گوش دل کو اس ارشاد خداوندی کی طرف متوجہ کر **فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی** یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا کہ جب تجھ کو موسیٰ کے مقدمے میں کچھ خوف ہو تو اس کو دریا میں پھینک دے اور نہ خوف کر نہ غم کر اور جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا زیادہ مناسب ہے پھر وہ پناہ دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے **وهو یجیر ولا یجار علیه** یعنی اللہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا زیادہ ولائق ہے، پھر وہ نگہبانی کرتا ہے، جیسا ارشاد ہے **فالله خیر حافظاً وهو ارحم الراحمین** اور اگر تدبیر اس وجہ سے کرنا پڑتی ہے کہ قرض کی معیاد گذر گئی اور ادا کرنے کو کچھ بھی نہیں اور قرض خواہ صبر نہیں کرتے تو اس وقت یہ یقین کر کہ جس خدا نے اپنے لطف سے تجھ کو ایسا شخص میسر کر دیا جس نے تجھ کو وقت حاجت پر دے دیا وہی خدا اپنے لطف سے ادائیگی کا سامان بھی میسر کر دیگا **هل جزاء الاحسان الا الاحسان** یعنی نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔

(ف) مطلب یہ ہے کہ خدا نے جیسا تیرے ساتھ احسان کیا تو اسکے ساتھ نیک اعتقاد رکھ۔

اور تف ہے ایسے شخص پر جس کو اپنے قبضے میں آئی چیز پر قرار ہو اور جو خدا کے قبضے میں ہے اس پر اطمینان نہ ہو اور اگر تدبیر اس وجہ سے ہے کہ اپنے عیال کو چھوڑ آیا ہے، اور ان کی کفایت کے موافق ان کے پاس نہیں تو اس وقت یہ یقین کرنا چاہئے کہ جو خدا تیرے مرنے کے بعد ان کا سامان کرے گا وہی تیرے سامنے اور پیچھے بھی تیری زندگی میں سامان کرے گا، اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سنو **اللهم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاهل** یعنی یا اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور گھر والوں میں ہمارے بعد خبر گیراں ہے، پس جس سے اپنے سامنے امید رکھتا ہے اسی سے اپنی غیبت میں امید رکھ اور

ایک بزرگ کی بات سن وہ کہتے ہیں جس خدا کی طرف میں اپنے کو متوجہ کرتا ہوں اسی کو اپنے گھر والوں کا محافظ چھوڑ آیا ہوں ایک دم ان کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اس کا فضل میرے فضل سے وسیع تر ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ سے زیادہ ان پر مہربان ہے تو اس کی فکر مت کر جو دوسرے کی کفالت میں ہے اور اگر تیری تدبیر واہتمام کسی مرض کے باعث ہے جو تجھ کو لاحق ہے اس کے طول اور امتداد مدت سے ڈرتا ہے تو یقین کر لے کہ ہر بلا اور بیماری کی عمر مقرر ہے، جیسے کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو اسی طرح کوئی بلا نہیں ختم ہوتی۔ جبتک کہ اُس کا وقت پورا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد خیال کرو فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون یعنی جب ان کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو نہ پیچھے ہٹتے ہیں ایک ساعت نہ آگے بڑھتے ہیں۔

کسی شیخ کا ایک بیٹا تھا، باپ مر گیا بیٹا رہ گیا، اور فتوحات بند ہو گئے اس کے باپ کے بہت سے یار تھے یعنی مرید وغیرہ عراق میں پھیلے ہوئے تھے، اس نے فکر کی کہ اپنے باپ کے کون سے یار کے پاس جائے پھر قصد کیا جو سب سے زیادہ لوگوں میں وجاہت رکھتا ہو وہاں جانا چاہئے ایک ایسے بھی تھے ان کے پاس آیا انہوں نے تعظیم وتکریم کی پھر کہا کہ اے سردار اور سردار کے صاحبزادے تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اسباب دنیا پر اکتفا کیا میں چاہتا ہوں کہ حاکم شہر کے پاس میرا ذکر کر دو، شاید میری کوئی صورت کر دے، جس میں میرا گذر چلے، ان بزرگ نے بڑی دیر تک سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ میرے امکان میں نہیں کہ سرِ شام کو صبح کر دوں میں کہاں تم کہاں؟ جب کہ تم اہل عراق کے حاکم بنائے جاؤ گے۔

(ف) ان بزرگ کو مکاشفے سے معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے کو چند روز میں حکومت عراق کی ملے گی، مگر تقدیر الٰہی میں ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا، اس واسطے انہوں نے فرمایا کہ سرِ شام کو صبح نہیں کر سکتا یعنی جس وقت ملنا مقدور ہے اس وقت کو کیسے حاضر کر سکتا ہوں۔

وہ لڑکا غضب ناک ہو کر ان کے پاس سے چلا گیا اور ان بزرگ کی بات نہیں سمجھا اتفاقاً ایسا ہوا کہ خلیفہ کو اپنے لڑکے کے واسطے معلم کی تلاش ہوئی، کسی نے اس لڑکے کا پتہ دیا اور کہا کہ فلاں شیخ کا بیٹا ہے، غرض خلیفہ زادہ کی تعلیم کے لئے مقرر ہوا چند روز اس کو تعلیم دیتا

رہا پھر اس کا مصاحب ہوگیا، یہاں تک کہ چالیس برس گذر گئے، اس خلیفہ کا انتقال ہوا، اس کا یہی لڑکا خلیفہ ہوا اس نے اپنے معلم کو حاکم عراق بنا دیا، اور اگر فکر و تدبیر بسبب زوجہ یا کنیزک کے ہے، جو مر گئی کہ تجھ سے تمام حالات میں مزاج موافق آ گیا تھا، اور تیری ضروریات کاروبار کو انجام دیتی تھی تو یقین کر کہ جس نے تجھ کو عنایت کی تھی اس کا فضل و احسان ختم اور منقطع نہیں ہوگیا اور اس کو قدرت ہے کہ اپنی عنایت سے تجھ کو اس سے بڑھ کر دیدے جو حسن اور واقفیت میں اسے زیادہ ہو پس جاہل مت بن، اور جن وجوہ سے سردست فکر تدبیر ہونے لگتی ہے وہ بے شمار ہیں، ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ منضبط اور منحصر نہیں اور جب اللہ تعالیٰ فہم عنایت کر دے گا خود تجھ کو بتلائے گا کہ کیا علاج کرنا چاہئے۔

تنبیہ و اعلام

جاننا چاہئے کہ تدبیر جو نفس سے پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حجاب ہے اور اگر نفس کی ہمسائیگی اور خطرہ سے قلب سالم اور محفوظ رہے تو تدبیر کا اس میں گذر نہ ہونے پائے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباس مرسیؒ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پیدا کیا اس میں اضطراب تھا پہاڑوں سے اس کو ٹھہرایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا والجبال ارساھا اسی طرح جب نفس کو پیدا کیا مضطرب ہوتا تھا تو اس کو جبال عقل سے ٹھہرایا، پورا ہوا کلام شیخ ابوالعباسؒ کا

پس جس شخص کی عقل کامل اور نور وسیع ہوتا ہے اس پر پروردگار کی جانب سے سکون نازل ہوتا ہے پس اس کا نفس اضطراب سے ساکن ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب پر وثوق ہوتا ہے، پس مطمئنہ بنجاتا ہے یعنی احکام الٰہیہ کے روبرو دب جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے اُس کی قضا کے آگے ثابت رہتا ہے، تائید خداوندی اور انوار غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے اور مقابلہ تقدیر سے برطرف ہوتا ہے اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہے یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کیا کفایت[1] نہیں کرتا تیرا رب کہ وہ شے پر حاضر و ناظر ہے پھر وہ نفس اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو یوں خطاب کیا جائے۔

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیء شھید (مترجم)

یایتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف رجوع کر تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں اور اس آیت میں ایسے نفس کی بڑی خصوصیتیں اور اوصاف مذکور ہیں۔

پہلا وصف

یہ کہ نفس تین طرح کے ہیں امارہ، لوامہ، مطمئنہ، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا سوائے نفس مطمئنہ کے، امارہ کی شان میں فرمایا ان النفس لا مارة بالسوء اور لوامہ کی شان میں فرمایا لا اقسم بالنفس اللوامة اور اس نفس کو خطاب کر کے فرمایا یایتها النفس المطمئنة۔

دوسرا وصف

اس کا ذکر لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہل عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

تیسرا وصف

طمانیت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع ہے اور متوکل۔

چوتھا وصف

طمانیت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن کہتے ہیں پست زمین کو، جب اس نے تواضع انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی مولا نے اس کی تعریف فرمائی تا کہ اس کی بڑائی ہو، فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے تواضع کی اللہ کے واسطے بلند قدر کیا اس کو اللہ نے۔

پانچواں وصف

اس کو فرمایا ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة اس میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ اور لوامہ کو باعزاز رجوع ہونے کی اجازت نہیں بلکہ یہ دولت نفس مطمئنہ کو نصیب ہے چونکہ

---

[1] حدیث یہ ہے کہ من تواضع للہ رضاء اللہ

اس میں وصف اطمینان ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر آ،
کیونکہ ہم نے تیرے لئے اپنی درگاہ میں آنا اور اپنی بہشت میں ہمیشہ رہنا مباح فرمادیا، اس
میں آدمی کو ترغیب ہے مقام اطمینان پر اور اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تاوقتیکہ اطاعت
اور ترک تدبیر اختیار نہ کرے۔

چھٹا وصف

ارجعی الیٰ ربک فرمایا ارجعی الیٰ الرب نہیں فرمایا اور نہ الیٰ اللہ فرمایا اس
میں اشارہ ہوگیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبار لطف ربوبیت کے ہے باعتبار قہر
الوہیت کے نہیں، اس میں اس کو مانوس کرتا ہے اور اپنا لطف وکرم وعنایت ظاہر فرماتا ہے۔

ساتواں وصف

راضیۃ فرمایا یعنی خوش ہو اللہ سے دنیا میں اس کے احکام سے اور آخرت میں جودو
انعام سے اس میں بندے کو آگاہ کرتا ہے کہ رجوع الی اللہ بدوں طمانیت ورضا کے میسر
نہیں ہوتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک کہ اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو اللہ کے
نزدیک آخرت میں مرضی وپسندیدہ بھی نہیں ہوسکتا۔

(ف) کیونکہ مرضیۃ راضیۃ کو مقدم کیا اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ اس آیت
سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا بندے سے خوش ہونا نتیجہ اس کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہو اور
دوسری آیت سے۔

(ف) رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ.

معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا اللہ سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہو۔

(ف) حاصل اعتراض یہ ہے کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی
طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

جواب میں سمجھنا چاہئے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں
کی تطبیق میں کچھ خفا نہیں وجہ یہ کہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا مدلول یہ ہے کہ وجود
ترتیبی میں پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اس کی

مقتضی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اول ان سے راضی نہ ہوتو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔

(ف) کیونکہ کمالات عبد کے بالعرض ہیں اور کمالات حق کے بالذات اور مابالذات مقدم ہوتا ہے مابالعرض پر

اگر از جانب معشوق نباشد کششے　　　طلب عاشق بے چارہ بجائے نہ رسد

اور دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکور بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہو گا اللہ اس سے آخرت میں خوش ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں۔

آٹھواں وصف

اس کے حق میں فرمایا مرضیۃ اور اس نفس کی بڑی تعریف سب تعریفوں سے بڑھ کر ہے کیا تو نے یہ ارشاد خداوندی نہیں سنا ورضوان من اللہ اکبر یعنی اللہ کی طرف سے رضا مندی ہونا سب سے بڑی دولت ہے یہ بعد بیان نعیم اہل جنت کے فرمایا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دولت رضا تمام نعماء جنت سے بزرگ تر ہے۔

نواں وصف

فادخلی فی عبادی فرمایا اس میں نفس مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کے لئے پکارا اور بلایا گیا اور یہ لوگ کون بندے ہیں وہ خصوصیت و نصرت کے بندے ہیں، مملوکیت وقہر کے بندے نہیں وہ ایسے بندے ہیں جن کی شان میں فرمایا ان عبادی لیس لک علیھم سلطان یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا اور شیطان کو خبر دی عبادک منھم المخلصین یعنی تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤں گا وہ بندے نہیں جن کے حق میں فرمایا ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن عبدا یعنی جتنے آسمان و زمین والے ہیں سب کو رحمٰن کے پاس بندہ ہو کر آنا ہے پس نفس مطمئنہ کو اس ارشاد فادخلی فی عبادی کی زیادہ خوشی ہے دوسرے ارشاد سے وادخلی جنتی کیونکہ پہلی نسبت اپنی طرف ہے اور دوسری نسبت جنت کی طرف۔

دسواں وصف

وادخلی جنتی فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو اوصاف نفس مطمئنہ میں ہیں انہوں

نے اس نفس کو اس قابل بنادیا کہ اس کے خاص بندوں میں داخل کیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے، دنیا میں جنت طاعت اور آخرت میں مشہور جنت میں اور اللہ خوب جانتا ہے۔

(فائدہ) یہ آیت دو دمضمونوں کو متضمن ہے، ہر ایک کا مدلول یہی ہے کہ قواعد تدبیر کو ترک کیا جائے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس نفس کی اتنی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائیں، اس کو چند اوصاف سے موصوف فرمایا ایک طمانینت دوسری رضا اور یہ دونوں بدوں ترک تدبیر نہیں حاصل ہوتے، کیونکہ نفس جبھی مطمئن بنے گا جب اللہ کی خوبی تدبیر پر وثوق کر کے اس کے آگے تدبیر چھوڑ دے وجہ یہ کہ جب اللہ سے راضی ہوگا اس کے گردن جھکائے گا، اس کے حکم کی اطاعت کرے گا اس کے فرمانے کو مانے گا پھر اس کی ربوبیت پر مطمئن ہوگا اور اس کی الوہیت پر اعتماد کر کے قرار پکڑے گا اور اضطراب نہ رہے گا، کیونکہ اس کو نور عقل جو عطا فرمایا ہے وہ اس کو ثابت رکھے گا اور اس کو کچھ جنبش نہ ہوگی، اس کے احکام کے آگے دب جائے گا، اس کے توڑنے جوڑنے میں اپنے کو اس کے سپرد کر دے گا۔

(ف) جاننا چاہئے کہ حکمت تدبیر واختیار کے پیدا کرنے میں اپنی قہاریت کا ظہور کرنا ہے پس جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو صفت قہر سے اپنی شناخت کرائے ان میں تدبیر واختیار کو پیدا کیا پھر ان کو حجابوں سے وسعت دی تب کہیں تدبیر ان سے ممکن ہوئی کیونکہ اگر حضوری اور معائنہ میں رہتے تو تدبیر واختیار ممکن نہ ہوتا، جیسے ملاء اعلیٰ کو ممکن نہیں پس جب بندوں نے تدبیر واختیار شروع کیا اپنے قہر و غلبے سے اس تدبیر کی طرف توجہ فرما ہوئے ان کے ارکان کو ہلا دیا اور ان کی عمارت کو گرا دیا جب اپنے غلبہ مراد سے بندوں کو اپنی شناخت کرائی ان کو یقین ہوا کہ بے شک وہی اپنے بندوں پر قاہر ہے سو ارادہ تیرے اندر اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ وہ تیری چیز ہو بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اس کا ارادہ تیرے ارادے پر غالب آئے، پس تجھ کو معلوم ہو جائے کہ تیرا ارادہ کچھ نہیں اسی طرح تدبیر کو اس لئے نہیں بنایا کہ تجھ میں ہمیشہ رہا کرے بلکہ اس واسطے بنایا کہ تو بھی تدبیر کرے اور وہ بھی تدبیر کرے پھر اس کی تدبیر چلے تیری نہ چلے، اسی واسطے کسی بزرگ سے جو پوچھا گیا تم نے اللہ کو کس چیز سے پہچانا جواب دیا ارادہ کے توڑنے سے۔

فصل ہم نے اوپر وعدہ کیا تھا کہ تدبیر رزق کے بارے میں ایک مستقل باب لائیں گے۔

(ف) یعنی وہ باب یہی ہے۔

کیونکہ اکثر قلوب میں جو تدبیریں آتی ہیں وہ رزق کے لئے ہوتی ہیں۔

یعنی تقریر گذشتہ میں تو مطلق تدبیر کی بحث تھی اور یہاں خاص تدبیر رزق کی ہے

جاننا چاہئے کہ تدبیر رزق سے قلوب کا سالم رہنا بڑی عنایت ہے، یہ انہیں کو میسر ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے توفیق دیئے گئے ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ خوبی وثوق میں سچا معاملہ کیا ہے پس اس کے دلوں کو چین ہوگئی اور توکل کو محقق کرلیا یہاں تک کہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ رزق کے قصے کو میرے لئے مضبوط کرلاؤ اور مقامات کو جانے دو۔

(ف) یعنی اپنے مریدوں سے فرمایا کہ رزق کے مقدمے میں توکل ٹھیک کرلو اور مقامات میں چنداں ریاضت کی حاجت نہیں۔

اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے بھاری فکر یہ ہے کہ کھانے کا تقاضا ہوتا ہے اور شیخ موصوف نے جو فرمایا ہے اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو ایسی مدد کا محتاج بنایا ہے کہ اس کی ترکیب کو قائم رکھے اور اس کی قوت کو بڑھائے کیونکہ اس میں جو حرارت غریزی ہے وہ اجزائے بدن کو تحلیل کردیتی ہے اور جب غذا پہنچتی ہے اس کو معدہ طبخ دے کر اس کا خلاصہ قبول کرلیتا ہے وہ جزو بدن اور تحلیل شدہ کا بدل ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا ہے انسان کو مدد حسی اور غذا کھانے سے مستغنی کردیتا مگر اللہ کو منظور ہوا کہ جاندار کا محتاج غذا ہونا اور اس کی طرف مضطر ہونا اور اپنا ان حاجات سے غنی ہونا ظاہر فرمائے، اسی واسطے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے **قل اغیر الله اتخذ ولیا فاطر السمٰوٰت والارض وھو یطعم ولا یطعم** یعنی کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا خدا کے سوا کسی کو مددگار بناؤں اور خدا بھی کیسا آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اور وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح دو وصفوں سے فرمائی، ایک یہ کہ اوروں کو کھلاتا ہے کیونکہ جتنے بندے ہیں سب اس کے احسان سے سلے رہے ہیں اور اس کے رزق ومنت سے کھا رہے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ کھاتا نہیں کیونکہ حاجت غذا سے مقدس ہے بلکہ وہ صمد ہے اور صمد

اُسی کو کہتے ہیں جس کو کھانے کی حاجت نہ ہو اور یہ کیا وجہ کہ اللہ نے حیوان ہی کو محتاج غذا بنایا اور موجودات کو نہیں بنایا وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کو اپنی صفات سے اس قدر عنایت فرمایا ہے کہ اگر اس کو بھوک نہ لگے تو خدا جانے کیا دعویٰ کر بیٹھے یا کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کرنے لگے اللہ تو بڑی حکمت والا خبردار ہے اس کو منظور ہوا کہ اس کو کھانے پینے کا محتاج بنادیں تاکہ بار بار کا محتاج ہونا سبب ہو جائے اس کا کہ یہ خود دعویٰ کرے نہ کوئی دوسرا اس کی نسبت دعویٰ کر سکے۔

(ف) جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نوع حیوان کو خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی محتاج بناؤں تا کہ اس کو اللہ کی معرفت ہو یا اس کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت ہو۔

(ف) یعنی اگر آدمی اپنے نفس میں غور کرے تو اس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اگر اس کے حالات میں کوئی دوسرا غور کرے تو اس کے ذریعہ سے اس غور کنندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

تو دیکھا نہیں کہ محتاج ہونا بڑا ذریعہ ہے اللہ تک پہنچنے کا اور بڑا وسیلہ ہے جو تجھ کو خدا تک پہنچائے تو نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا یایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید یعنی اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کے قابل ہے پس محتاجی کو سبب بنایا اللہ تک پہنچنے کا اور اس کے روبرو ہمیشہ حاضر رہنے کا اور شاید اور اس مقام سے سمجھ گیا ہوگا معنی اس حدیث کے جو فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو یعنی جس نے اپنے کو پہچانا ساتھ محتاجی اور فقر اور ذلت اور فاقہ اور مسکینی کے پہچانا اُس نے اپنے رب کو ساتھ عزت اور غلبہ اور کرم اور احسان وغیرہ اوصاف کمال کے ساتھ، خصوصاً نوع آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اسباب حاجت کو مکرر فرمایا اور انواع احتیاج کو متعدد کیا کیونکہ یہ محتاج ہے اپنے معاش و معاد کی اصلاح کا اس مقام میں اس آیت کو سمجھو ولقد خلقنا الانسان فی کبد یعنی ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا یعنی دنیا و آخرت کے کاروبار میں چونکہ اللہ کے نزدیک یہ مکرم ہے اس

---

[1] حدیث یہ ہے من عرف نفسہٗ عرف ربہٗ ۱۲

لئے اسباب حاجت کو اس میں مکرر فرمادیا دیکھو کہ اقسام حیوانات بسبب اون اور بال کے لباس کے محتاج نہیں اور اپنے تھان اور گھونسلے کے سبب گھر سے مستغنی ہیں۔

(ف) دیگر وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو انسان کو امتحان کا مقصود ہے اسی لئے متفرق چیزوں کا اس کو محتاج بنادیا تاکہ دیکھیں کہ اپنی عقل وتدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کرتا ہے یا اللہ کی تقسیم وتقدیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(ف) دیگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندے کا محبوب بنے، پس جس وقت اسباب حاجت کے اس پر وارد کر کے وہ حاجت رفع فرماتا ہے اس وقت اس کے نفس میں ایک حلاوت اور قلب میں ایک راحت پیدا ہوتی ہے یہ تجدید محبت کا موجب ہوتا ہے، فرمایا[1] ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے محبت کرو چونکہ اپنی نعمتوں سے تم کو غذا دیتا ہے پس جس قدر نعمتیں تازہ ہوتی جاتی ہیں ویسے ہی محبت تازہ ہوتی ہے۔

(ف) دیگر اللہ کو منظور ہوا کہ شکر کیا جائے پس بندوں پر اول حاجت وارد فرمائیں پھر اس کو پورا کیا تاکہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کو احسان وسلوک کے ساتھ پہچانیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا **کلوا من رزق ربکم واشکروا له بلدة طیبة ورب غفور** یعنی کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور شکر بجالاؤ اس کا شہر ہے ستھرا اور رب ہے بخشنے والا۔

(ف) دیگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بندوں پر دروازہ مناجات یعنی رازداری کا کشادہ فرمائے جب وہ کھانوں کے اور دوسری نعمتوں کے محتاج ہوتے ہیں بلند ہمتی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس کی مناجات سے مشرف ہوتے ہیں اور اس کے عطایا سے دیئے جاتے ہیں اور اگر محتاجی ان کو مناجات کی طرف نہ لائے تو عام لوگ ہرگز اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور اگر حاجت نہ ہوتی تو بجز اہل عشق کے باب مناجات کو کوئی نہ کھلواتا پس حاجت کا وارد ہونا سبب مناجات کا ہوا اور مناجات بڑی بزرگی ہے اور عزت کا بڑا رتبہ ہے تم خیال نہیں کرتے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر اس ارشاد میں فرمائی ہے **فسقیٰ لهما ثم تولیٰ الی الظل فقال رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر** یعنی موسیٰ علیہ السلام

---

[1] حدیث یہ ہے احبوا اللّٰہ لما یغذو کم به۔ (تنویر)

نے ان دونوں لڑکیوں کی خاطر سے بکریوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف پھرے پھر دعا کی کہ اے پروردگار بے شک میں اس رزق کا جو میرے واسطے اتارا ہے محتاج ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں قسم اللہ کی اور کچھ نہیں مانگا بجز ایک روٹی کے جس کو کھائیں اور لاغری سے یہ حال ہو گیا تھا کہ پیٹ کی جھلی کے اندر سے ساگ کی سبزی نظر آتی تھی پس غور کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ کس طرح خدائے تعالیٰ سے سوال کیا کیونکہ یقین رکھتے تھے کہ بجز خدا کے کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اور مومن کو ایسا ہی ہونا زیبا ہے اللہ سے چھوٹی بڑی سب چیزیں مانگنا چاہئے، یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ نماز میں اللہ سے مانگا کرتا ہوں، یہاں تک کہ آٹے کا نمک بھی اور اے ایمان والے جس چیز کی حاجت ہو اس کے قلیل ہونے کے خیال سے مانگنے سے مت رکو اگر قلیل اس سے نہ مانگے گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہ ملے گا جو وہ چیز عنایت کرے اور مطلوب اگر قلیل ہی ہو لیکن چونکہ ذریعہ مناجات بن گیا اس اعتبار سے تو جلیل ہے یہاں تک شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں اس کی فکر نہ ہونا چاہئے کہ وہ کام پورا ہو جائے اس میں تو اپنے رب سے حجاب ہو جاتا ہے بڑا قصد مناجات مولیٰ ہونا چاہئے اور اس آیت میں چند فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ

یہ ہے کہ مومن کو اپنے رب سے تھوڑا بہت سب مانگنا چاہئے اور اس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا فائدہ

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اسم ربوبیت سے پکارا کیونکہ اس مقام کے مناسب یہی ہے کیونکہ رب اس کو کہتے ہیں جس نے تجھ کو اپنے احسان سے پالا ہو اپنی منت سے تجھ کو غذا دی ہو اس اسم میں اپنے مالک کو مہربان بنانا ہے کہ اس کو اسم ربوبیت سے ندا کی کہ جس کے آثار و فوائد کبھی ان سے بند و موقوف نہیں ہوئے۔

تیسرا فائدہ

یوں کہا رب انی لم انزلت الی من خیر فقیر یوں نہیں کہا انی الی الخیر

---

[1] یہ سوال بے صبری سے نہ تھا بلکہ بہانہ مناجات تھا۔ (ملفوظ شریف)

فقیر اس میں یہ فائدہ ہے کہ الیٰ خیر کہ فقیر یاالی الخیر فقیر کہتے تو یہ بات نہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ رزق اتار چکا ہے اور ان کو مہمل نہیں چھوڑا اس لئے یوں کہا رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر تا کہ معلوم ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر وثوق ہے اس کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھولے گا نہیں گویا اس طرح کہا کہ اے پروردگار یہ مجھ کو یقین ہے کہ تو نہ مجھ کو اور نہ کسی دوسری مخلوق کو مہمل چھوڑے گا اور تو میرا رزق نازل فرما چکا ہے، اب اس نازل کئے ہوئے رزق کو میرے پاس جس طرح چاہے جس طور چاہے اپنے احسان وامتنان کے ساتھ مقرون کر کے بھیج دے سو اس میں دو فائدے ہو گئے ایک طلب دوسرا اقرار اس امر کا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ان کا رزق نازل فرما چکا ہے مگر وقت اور سبب اور واسطہ معین نہیں فرمایا تا کہ بندے کو اضطرار رہو اور اضطرار کے ساتھ قبولیت ہوتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ اور اگر سبب اور وقت اور واسطے کو معین فرما دیتے تو بندوں کو اضطرار نہ ہوتا جو کہ ابہام کے وقت حاصل ہے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ حکمت والا قدرت والا علم والا۔

چوتھا فائدہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبودیت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مقام عبودیت میں کمال حاصل تھا پھر بھی اللہ سے مانگا اس سے معلوم ہوا کہ طلب کرنا مقام عبودیت کے منافی نہیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر طلب کرنا مقام عبودیت کے خلاف نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں طلب کیا جب ان کو منجنیق میں رکھ کر پھینکا اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر پوچھا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے اور آپ نے جواب دیا کہ تم سے تو نہیں ہاں اللہ سے ہے پھر جبرئیل بولے اللہ ہی سے دعا کرو اور آپ نے فرمایا میرے مانگنے سے اس کا جاننا بس کرتا ہے سو علم الٰہی پر اظہار طلب سے اکتفا کیا جواب اس کا یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر وہی معاملہ کرتے ہیں جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مناسب ہے سو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس مقام پر یہی مقصود ہے کہ طلب نہ کروں اور اسکے جاننے پر اکتفا کروں سو یہ اسی کے موافق تھا جو اللہ کی طرف سے سمجھا اور اس کی وجہ تھی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنا راز وعنایت جو ابراہیم

علیہ السلام کے ساتھ تھی ملاء اعلیٰ پر ظاہر کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے مشورہ فرمایا تھا، کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ ایسے شخص کو مقرر فرماتے ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا اور ہم تو تسبیح وتحمید وتقدیس آپ کی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے پس جس روز ابراہیم علیہ السلام منجنیق میں پھینکے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اس ارشاد کا بھید ظاہر کرنا منظور ہوا کہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے گویا اس طرح فرمایا کہ اے وہ لوگو جو یوں کہتے تھے کہ آپ مفسد اور خونریز کو زمین میں بناتے ہیں تم نے میرے خلیل کو کیسا دیکھا، زمین میں اہل فساد سے جو خرابیاں ہونے والی ہیں جیسے نمرود اور اُسکے امثال سے ہوئیں تم نے اُن پر تو نظر کی اور اہل صلاح اور رشد سے جو خیر ہونیوالی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے اور جو اہل عشق میں ان کے پیرو ہیں ان سے ہوئیں اس پر نظر نہیں کی، رہے موسیٰ علیہ السلام ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت یہی مقصود ہے کہ احتیاج بظاہر کریں اور زبان سوال کھولیں، سو مقتضائے وقت حق بجالائے اور ہر ایک[1] کی ایک جہت ہے جس طرف اس کا رخ ہے اور سب کے پاس دلیل روشن اور ہدایت اور توفیق من اللہ اور رعایت ہے۔

پانچواں فائدہ

غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کس طرح رزق طلب کرتے ہیں کہ صراحتاً نہیں مانگا بلکہ اللہ کے روبرو اپنے فقر وحاجت کا اقرار کیا اور سبحانہ وتعالیٰ کے غنی ہونے کی گواہی دی، کیونکہ انہوں نے جب اپنے کو فقر وفاقہ سے پہچانا اس وقت اپنے رب کو غنا اور بھرپوری کے ساتھ پہچانا اور یہ مناجات کے بساطوں میں سے ایک بساط ہے۔

(ف) یعنی طریق مناجات سے ایک طریقہ ہے۔

اور یہ بساط بہت ہیں کبھی اللہ تعالیٰ تجھ کو بساط فقر پر بٹھلاتا ہے اس وقت تو پکارے گا یا غنی کبھی بساط ذلت پر بٹھلاتا ہے اس وقت پکارے گا، یا عزیز، کبھی بساط عجز پر بٹھلاتا ہے تو پکارے گا یا قوی اسی طرح باقی اسماء ہیں سو موسیٰ علیہ السلام نے فقر وفاقہ کا

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیت کی طرف ولکل وجھۃ ھو مولیھا ۔(مترجم)

اقرار کیا اس میں تعریض و اشارہ ہو گیا طلب کا، اگرچہ صاف طلب نہیں ہوئی اور تعریض طلب اس طرح ہوتی ہے کہ بندے اپنے اوصاف فقر و حاجت ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے مالک اوصاف جہات یکتائی بیان کرتا ہے جیسا حدیث میں آیا ہے میری اور انبیاء سابقین کی سب دعاؤں میں افضل یہ ہے **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ** سو اللہ کی ثناء کو بھی دعا فرمایا کیونکہ اپنے غنی مالک کے اوصاف کمال ذکر کر کے تعریف کرنا اس کے فضل و عطاء کا تعریضاً مانگنا ہے، جیسا شاعر کا قول ہے:

اس قدر ہے صاحب خلق کریم — خلق یکساں اس کا ہے صبح و مسا
گر کرے اس کی ثنا کوئی کبھی — مانگنے سے اس کو کافی ہے ثنا

اللہ تعالیٰ نے یونس کی حکایت میں فرمایا ہے **فنادیٰ فی الظلمٰت ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** یعنی یونس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں بے موقع کام کرنے والوں میں ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ بیان فرمایا **فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم وکذلک ننجی المؤمنین** یعنی ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی اور اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں اور یونس علیہ السلام نے صراحتاً سوال نہیں کیا لیکن چونکہ اپنے رب عزوجل کی ثنا کی اور اس کے روبرو اپنی خطا کا اقرار کیا تو اس کی طرف اپنا احتیاج ہونا ظاہر کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو طلب قرار دیا۔

(ف) کیونکہ جواب میں **فاستجبنا لہ** فرمایا جس کے معنی ہیں سوال پورا کرنا۔

چھٹا فائدہ

اور یہ سب میں زیادہ قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے ساتھ سلوک کر دیا اور ان سے اجرت و جزا طلب نہیں کی بلکہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلا چکے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مانگا ان دونوں سے نہیں مانگا بلکہ اپنے مالک سے مانگا جس کی یہ شان ہے کہ جب اس سے مانگا اس نے عطا کیا اور صوفی وہی ہے کہ اوروں کے حقوق جو اس کے ذمے ہیں پورے کر دے اور اپنے حقوق کا

مطالبہ نہ کرے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں

عمر شکوۂ خلق میں ضائع نہ کر　　وقت کم ہے اور جاتا ہے چلا
کیوں شکایت ہے تجھے جب ہے یقین　　ہوتا ہے جو کچھ وہ سب لکھا گیا
جب خدا کا حق نہیں کرتے وفا　　کیا وفا تجھ سے کریں گے ہے تو کیا
دیکھ جو کچھ تجھ پہ ہیں ان کے حقوق　　صبر سے ان کو تو پورا کر ادا
جب کرے کچھ کام کر اس کا خیال　　ہے خدا تیری نیت کو جانتا

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حق ادا کیا اور اپنا حق نہیں مانگا ان کے لئے اللہ کے پاس پوری جزا ہوئی اور دنیا میں بھی سردست عنایت فرمائی، علاوہ اس کے جو آخرت میں جمع ہے یعنی ایک لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا اپنے نبی شعیب علیہ السلام کا داماد بنایا اور ان کے ساتھ مانوس کر دیا، یہاں تک کہ پیغمبری کا وقت آ گیا سوائے بندے! اپنا معاملہ اللہ ہی کے ساتھ رکھ نفع والوں میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ تیری وہی خاطر کرے گا جیسی متقی بندوں کی فرمائی۔

ساتواں فائدہ

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دیکھو فسقیٰ لهما ثم تولیٰ الی الظل اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو جائز ہے کہ سایہ کو دھوپ پر اور سرد پانی کو گرم پانی اور سہل طریق کو دشوار طریق پر اختیار کریں اور مقدم رکھیں اور اس امر سے مقام زہد سے خارج نہیں ہوتا دیکھو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا کہ تولیٰ الی الظل یعنی سایہ کا قصد کیا اور اس کی طرف آئے اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس گیا اور دیکھا جس گھڑے کا پانی پیتے ہیں اس پر دھوپ پھیل رہی ہے اس مقدمے میں ان سے کہا گیا ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جب یہ گھڑا رکھا تھا تو دھوپ نہ تھی، اب مجھ کو شرم آتی ہے کہ اپنے حظ نفس کے لئے چلوں، جواب میں جاننا چاہئے کہ یہ اس شخص کی حالت ہے جو صدق کو بتکلف طلب کر رہا ہے اور اپنے نفس کو اس کی آرزوؤں سے روک رہا ہے تاکہ اس کو غفلت عن اللہ سے باز رکھے اور اگر اس کا مقام کامل ہو چکتا تو پانی دھوپ سے اٹھا لیتا اور قصد یہ ہوتا کہ اپنے نفس کا حق اس لئے ادا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے نہ اس کی لذت حاصل کرنے کو بلکہ اس لئے اس باب

میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کروں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے **یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا** یعنی اللہ کو منظور ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان پیدا ہوا ہے کمزور اسی واسطے فقہاء کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی منت مانگے کہ مکہ معظمہ تک ننگے پاؤں جاؤں گا تو اس کو جوتا پہن لینا جائز ہے، برہنہ پاؤں جانا واجب نہیں کیونکہ شریعت کا خاص یہ مقصود نہیں کہ لوگ سختی میں پڑیں اور شریعت لوگوں کو لذات حاصل کرنے سے نہیں روکتی اور کیونکر روکے آخر یہ لذات انہیں کے لئے پیدا کیے گئے ہیں، ربیع بن زیاد حارثی نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ میرے بھائی عاصم کے مقدمے میں میری مدد فرمایئے، آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ کمل اوڑھا ہے فقیر بنا چاہتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ، غرض وہ اس ہیئت سے حاضر کیے گئے کہ ایک کملی باندھے ہوئے تھے اور دوسری کملی اوڑھے ہوئے تھے سر اور ڈاڑھی کے بال میلے اور پریشان تھے، آپ ان کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا تیرے حال پر افسوس ہے تجھ کو اپنی بیوی سے شرم نہ آئی، تجھ کو اپنے بچے پر ترس نہ آیا، کیا اللہ تعالیٰ ستھری چیزیں تیرے لئے مباح کر کے پسند نہیں کرتا کہ تو اس میں سے کچھ کھائے تیری قدر اللہ کے یہاں اتنی کہاں ہے کیا تو نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا **والارض وضعھا للانام الیٰ قولہ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان** تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اسی واسطے مباح کی ہیں کہ برتیں اور اللہ کی تعریف کریں پھر اللہ ثواب دے اور اللہ کی نعمتوں کا ابتذال فعلی ابتذال قولی سے بہتر ہے۔

(ف) یعنی کھانے پینے برتنے میں تو فعلاً ابتذال ہے اور انکار میں قولاً ابتذال ہے کہ اس کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دیا تو برتنا ترک سے بہتر ٹھہرا۔

عاصمؒ بولے پھر آپ کی کیا حالت ہے کہ موٹا کھاتے ہیں اور موٹا پہنتے ہیں، حضرت علی نے جواب دیا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق پر اسی بات کو فرض کیا ہے کہ اپنے کو غریب لوگوں کے برابر رکھیں، تاکہ غرباء کو ان تک رسائی ہو اور ان کی حالت دیکھ کر تسکین ہو اور بہت مصلحتیں ہیں۔

حضرت علیؓ کی تقریر سے واضح ہوگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بندوں سے یہ نہیں طلب کیا کہ لذات کو چھوڑ دیں بلکہ ان کو شکر ادا کرنے کا حکم کیا ہے، پس فرمایا اللہ تعالیٰ نے **کلو من رزق ربکم واشکروا لہ** یعنی اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یایھا الذین امنوا کلوا من طیبت ما رزقنکم واشکروا للہ** یعنی اے ایمان والو کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور شکر کرو اللہ کا اور فرمایا **یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً**[1] یعنی اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو اچھے اور یوں نہیں فرمایا کہ کھاؤ مت بلکہ یوں فرمایا کہ کھاؤ اور عمل کرو۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ان دونوں آیتوں میں طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ شریعت کی نظر میں تو طیب وہی ہیں تو جواب سمجھو کہ یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں کیونکہ وہ اس وجہ سے طیب ہیں کہ ان کے ساتھ گناہ یا مذمت یا حجاب متعلق نہیں ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ طیبات سے مراد لذیذ کھانے ہوں اور حکمت ان کی اباحت اور کھانے کی اجازت کی یہ ہے کہ ان کا کھانے والا لذت پائے پھر اس کی ہمت شکر کے لئے بڑھے اور خدمت بجالائے اور حق حرمت کی رعایت کرے، شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹا پانی ٹھنڈا پیا کرو، کیونکہ بندہ جب گرم پانی پیتا ہے تو الحمد للہ جی اترے سے کہتا ہے اور جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو ہر عضو الحمد للہ کہنے میں ساتھ دیتا ہے پھر فرمایا وہ جو گھڑے والے کا قصہ ہے جو اوپر گذرا ہے وہ صاحب حال ہے، اس کا اقتدا نہیں کیا جائے گا۔

رجوع بمطلب

اس کو تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ حیوان کو خصوصاً آدمی کو غذا کے محتاج بنانے میں جو اس کو مدد پہنچاتی ہے کیا حکمت ہے اب اس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس غذا دینے اور اس کے پہنچانے کی کفالت فرمائی ہے، سو جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے جب حیوان کو ایک مدد کا محتاج بنایا جو اس کی امداد کرے اور غذا کا محتاج بنایا جس سے اس کا وجود قائم رہے اور ان دونوں جنس یعنی انسان و جن کی خلقت اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو عبادت کا حکم

---

[1] ان آیتوں میں بیان ہے نعمتوں کا۔ (مترجم)۔

ہواوران سے اپنی طاعت کا مطالبہ ہواس لئے (ان کو بے فکر کرنے کے لئے) یہ فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون، ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانسان کو مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو کھلائیں، بے شک اللہ رزق دینے والا قدرت والا اور زور والا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ ان دونوں جنس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی اس واسطے پیدا کیا ہے کہ ان کو عبادت کا حکم کریں جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اے غلام میں نے تجھ کو صرف اس لئے خریدا ہے کہ میری خدمت کرے یعنی اس لئے خریدا کہ تجھ کو خدمت کا حکم کروں اور تو اس کو بجالائے (یہ تاویل اس واسطے کی کہ معتزلہ کا مذہب ٹوٹ جائے چنانچہ آگے آتا ہے) اور کبھی غلام مخالفت اور سرکشی کرتا ہے اور تیرا خریدنا اس واسطے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تیری مہمات بجالائے اور تیرے کام پورے کرے اور معتزلی لوگ اس آیت کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو صرف اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور کفر و معصیت کے خالق خود بندے ہیں اور ہم اس مذہب کو اوپر باطل کر چکے ہیں۔

(ف) حاصل جواب کا اہل سنت کی طرف سے یہ ہے کہ قصد دو ہیں ایک قصد تشریعی دوسرا قصد تکوینی سو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ صرف عبادت کے قصد سے ان کو پیدا کیا ہے یہ قصد تشریعی ہے کہ وہ معصیت کے ساتھ متعلق نہیں کیونکہ شرع میں اس سے ممانعت ہے اور قصد تکوینی یعنی تخلیق طاعت و معصیت دونوں کے ساتھ متعلق ہے لقولہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون سو معتزلہ نے اس آیت میں قصد تکوینی مراد لیا ہے حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، فتامل۔

اور حکمت تخلیق ایجاد کے بیان کر دینے میں لوگوں کو بتلا دینا اور آگاہ کرنا ہے کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا جو ان کے مقدمے میں مقصود ہے اس سے ناواقف نہ رہیں اور طریق ہدایت سے بھٹک نہ جائیں اور رعایت حقوق کو چھوڑ نہ دیں اور بعض اخبار میں آیا ہے کہ ہر روز چار فرشتے آپس میں سوال و جواب کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کاش یہ خلقت پیدا نہ ہوتی، دوسرا کہتا ہے اگر پیدا ہو چکے تھے تو یہی جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے،

تیسرا کہتا ہے کہ جب جانتے کہ کیوں پیدا ہوئے تو علم کے موافق عمل کرتے، چوتھا کہتا ہے کہ اگر عمل نہیں کیا تھا تو برے اعمال سے توبہ ہی کرتے، پس حق تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا کہ بندوں کو ان کی ذات کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ اللہ کی عبادت اور توحید میں مشغول ہوں کیونکہ تو غلام اس لئے نہیں خریدتا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے بلکہ اس لئے خریدا کرتا ہے کہ تیری خدمت کرے پس یہ آیت ایسے لوگوں پر حجت ہے کہ اپنے حظوظ نفسانیہ میں رب کے حقوق سے اور اپنی ہوائے نفسانی میں مولیٰ کی طاعت سے غافل ہیں، اسی واسطے جب ابراہیم بن ادہم شکار کو نکلتے تو گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہاتف کی آواز سنی اور یہی ان کی توبہ کا باعث ہوا وہ ہاتف کہتا ہے کہ اے ابراہیم کیا اسی لئے تو پیدا کیا گیا ہے یا تجھ کو یہی حکم ہوا ہے پھر دوسری آواز سنی اے ابراہیم نہ اس لئے تو پیدا ہوا ہے نہ تجھ کو یہ حکم ہوا ہے سو سمجھدار وہ شخص ہے جو حکمت ایجاد کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور فقہ حقیقی یہی ہے کہ جس کو یہ عنایت ہوا اس کو بڑی نعمت ملی اور اسی کے حق میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ فقہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں رکھ دیتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ فقیہ وہ شخص ہے جس کے دیدۂ دل سے حجاب ہٹ جائے، پس جس کو اللہ کی طرف سے حکمت ایجاد کی سمجھ عنایت ہوگی کہ صرف اس کو اپنی طاعت کے لئے پیدا کیا ہے اور صرف خدمت کے لئے بنایا ہے اس کا یہ سمجھنا سبب ہو جائے گا دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف رخ کرنے کا اور حظوظ نفسانیہ کو چھوڑ کر فکر معاد و آمادگی کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق میں لگ جانے کا یہاں تک کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر مجھے خبر دی جائے کہ تو کل کو مر جائے گا تو اپنے نفس میں کچھ تغیر نہ پاؤں۔

(ف) کیونکہ آخرت کے لئے تو تیار ہی بیٹھا ہوں۔

اور کسی بزرگ سے ان کی ماں نے کہا کہ اے بیٹا تو روٹی کیوں نہیں کھاتا؟ جواب دیا روٹی چبانے اور پسے ہوئے کھانے میں پچاس آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلوں کو انتظار ہول قیامت اور ملاقات جبار نے اس دنیا سے غافل کر دیا ہے اور اس خیال نے دنیا کی لذت کی آگاہی اور مسرت کی خواہش سے دور ڈال

دیا یہاں تک کہ ایک عارف کہتے ہیں میں ملک مغرب میں کسی شیخ کے پاس ان کے گھر گیا اور وضو کے لئے پانی بھرنے اٹھا، وہ شیخ اٹھ کر بھرنے لگے میں نے منع کیا اور انہوں نے نہ مانا اور رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں باندھا (تاکہ ڈول چھوٹ نہ جائے) اور گھر میں ان کے قریب کنویں کے کنارے پر زیتون کا درخت تھا کہ گھر پر مثل شامیانہ پھیلا ہوا تھا، میں نے کہا اے حضرت رسی کا سرا اس درخت سے کیوں نہیں باندھ دیتے؟ فرمانے لگے آیا یہاں درخت بھی ہے مجھ کو اس گھر میں ساٹھ برس ہوئے مگر مجھ کو خبر نہیں کہ اس گھر میں درخت بھی ہے، سوائے طالب ذرا یہ حکایت اور اس کے مثل کان کھول کر سن تجھ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے سب سے غافل کر دیا ہے اور کوئی شیء ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، ان کی عقلوں کو اس کی عظمت نے ازخود رفتہ کر دیا ہے ان کے نفسوں کو اس کی ہیبت نے متحیر بنا دیا، ان کے دلوں میں اس کی محبت بیٹھ گئی، اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے زمرے میں شامل کر لے اور ان سے جدا نہ کرے، اسی طرح کی ایک اور حکایت ہے کہ صعید[1] میں کوئی ولی کسی مسجد میں رہتے تھے، کسی خادم نے اجازت چاہی کہ مسجد میں جو کھجور کے دو درخت کھڑے ہیں ایک میں سے ایک شاخ توڑ لوں، انہوں نے اجازت دے دی اس شخص نے پوچھا کہ حضرت کون سے درخت سے لوں زرد سے یا سرخ سے؟

فرمایا اے بیٹا مجھ کو اس مسجد میں چالیس برس ہوئے مجھ کو زرد و سرخ کا حال معلوم نہیں، اور ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے بچے ان کے گھر میں پھرا کرتے پوچھتے تھے کہ یہ کس کے لڑکے ہیں جب تک بتلائے نہ جاتے تھے پہچانتے نہ تھے، اللہ کے ساتھ ایسا مشغول رہتے ایک بزرگ اپنی اولاد کو دیکھ کر کہتے کہ اگرچہ ان کا باپ جیتا ہے مگر یتیم ہیں اور اس جھلک کے آثار میں کلام بڑھانا مقصود کتاب سے علیحدہ کر دے گا۔

رجوع بمطلب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میں نے جن وانس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ ان کو حوائج بشریہ پیش آئیں گے کہ اپنے مقتضاء کے موافق ان سے

---

[1] ایک مقام کا نام ہے۔ (مترجم)

مطالبہ کریں گے اور اخلاص توجہ عبودیت کو مشوش کریں گے، اس واسطے ان کے لئے رزق کی
کفالت فرمائی تا کہ خدمت خداوندی فراغت سے کریں اور طلب رزق میں لگ کر عبادت
سے غافل نہ ہو جائیں، سو فرمایا ما ارید منھم من رزق یعنی میں ان سے یہ نہیں چاہتا کہ
اپنے کو رزق دیں کیونکہ میں اپنی کفایت وکفالت سے اس میں کافی ہو چکا ہوں وما ارید
ان یطعمون یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ مجھے کھلائیں کیونکہ میں قوی ہوں صمد
ہوں، جس کو کھانے کی حاجت نہیں، اسی واسطے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا ان اللہ ھو
الرزاق ذو القوۃ المتین یعنی چونکہ میں ان کا رزق دینے والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا
کہ وہ اپنے لئے سامان رزق کریں اور چونکہ میں قوت والا ہوں اس لئے یہ نہیں چاہتا کہ وہ
مجھے کھلائیں کیونکہ جس کی ذاتی قوت ہوگی وہ کھلائے جانے سے غنی ہوگا، پس یہ آیت اس
مضمون کو مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق کا کفیل ہے خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان اللہ
ھو الرزاق اور ایمانداروں پر یہ بات لازم ٹھہرادی کہ رزق رسانی میں اس کو یگانہ سمجھیں
اور اس کا شمہ بھی مخلوق کی طرف منسوب نہ کریں اور اسباب اور اکتساب کی جانب مستند نہ
کریں اور راوی کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جس کی رات کو بارش ہو
چکی تھی فرمانے لگے تم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے عرض کیا یا
رسول اللہ ہم کو تو خبر نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ آج صبح کو میرے بندوں میں
سے بعضے مومن ہوئے بعضے کافر، سو جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش
ہوئی وہ شخص تو مجھ پر ایمان لایا اور ستارے کے ساتھ انکار کیا اور جس نے کہا چاند کی فلاں
منزل یا فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستارے پر
ایمان لایا، پس اس حدیث میں اہل ایمان کو بڑا فائدہ اور اہل یقین کو بڑی بینائی اور اللہ
تعالیٰ کے ساتھ ادب کی تعلیم ہے اور امید ہے کہ یہ حدیث مومن کو علم نجوم اور ان کی تاثیرات
کے قائل ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہے اور جاننا چاہئے کہ قضائے الٰہی تیرے
مقدمے میں مقدر ہے کہ ضرور اس کو نافذ فرمائے گا، اور اس کا حکم مقرر ہے کہ اس کو ظاہر
فرمائے گا پھر علام الغیوب کے علم کی جستجو کرنے سے کیا فائدہ ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

نے بندوں کے احوال جستجو کرنے سے منع کیا اور فرمایا ہے لا تجسسوا تو غیب خداوندی کو جستجو کرنا ہم کو کیسے زیبا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے:

میری جانب سے نجومی کو کہو حکم کوکب کو نہیں میں مانتا
جو خدا چاہے وہی ہو گا ضرور بالیقین اس امر کو ہوں جانتا

فائدہ

جاننا چاہئے کہ صیغہ رزاق کا فعال کے وزن پر آنا مبالغہ معنی رزق کو مقتضی ہے سو رازق زیادہ بلیغ ہے، رزاق سے کیونکہ فعال مبالغے میں فاعل سے زیادہ بلیغ ہے، سو ممکن ہے کہ یہ مبالغہ اس وجہ سے ہو کہ جن کو رزق دیا جاتا ہے ان کی تعداد بہت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود چونکہ رزق بھی بہت ہے اس لئے مبالغہ ہوا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں امر مقصود ہوں۔

دوسرا فائدہ جو علم بیان سے متعلق ہے

جاننا چاہئے کہ جس مضمون سے ثنا مقصود ہو اس پر صفت کی دلالت فعل کی دلالت سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے سو تیرا یہ کہنا کہ زید محسن اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ زید محسن یاقد احسن اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت تو ثبوت اور استقرار پر دلالت کرتی ہے اور فعل اپنی اصل وضع میں تجدد اور انقراض کے لئے ہے اسی جہت سے ان اللہ ھو الرزاق کہنا ان اللہ ھو یرزق سے زیادہ بلیغ ہے اور اگر ان اللہ ھو یرزق فرماتے تو صرف اثبات رزاقیت کو مفید ہوتا حصر حاصل نہ ہوتا جب ان اللہ ھو الرزاق کہا تو اس نے انحصار کا بھی فائدہ دیا تو جب ان اللہ ھو الرزاق کہا تو گویا یوں کہا کہ لا رازق الا اللہ یعنی کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے، دوسری آیت رزق کے باب میں یہ ہے اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو وفات دے گا پھر تم کو جلائے گا یہ آیت دو فائدوں کو متضمن ہے۔

پہلا فائدہ

یہ کہ خلق و رزق دونوں ساتھ ساتھ ہیں یعنی جیسا تم نے اللہ کی خالقیت کو تسلیم کر لیا خود

دعویٰ خالقیت نہیں کرتے اسی طرح رزاقیت بھی تسلیم کرلو اور رزاقی کے مدعی مت بنو یعنی اللہ تعالیٰ جیسا تخلیق و ایجاد میں یگانہ ہے ایسا ہی رزاقی اور مدد پہنچانے میں یکتا ہے اس لئے دونوں کو ساتھ ذکر کیا تا کہ بندوں پر حجت قائم ہو اور ان کو اس سے ممانعت ہو کہ اس کے رزق کو دوسرے کی طرف سے سمجھیں اور اس کے احسان کو مخلوق کی طرف سے خیال کریں اور اللہ تعالیٰ جیسا بلا واسطہ و بلا اسباب خالق ہے اسی طرح بے واسطہ بے سبب رازق بھی ہے۔

دوسرا فائدہ

یہ کہ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلا دی کہ رزق کا قصہ گذر چکا اور اس کی بات پختہ ہو چکی، اب قضا کسی وقت اس میں کوئی نئی بات نہیں کرتی اور زمانے کے آنے پر اس کے آنے کا انتظار نہیں، البتہ اس کا ظہور تازہ ہوتا ہے نہ کہ ثبوت اور رزق کا لفظ دو قسم کے رزق پر بولا جاتا ہے ایک وہ جو ازل میں مقدر ہو چکا دوسرا وہ جو بندے کے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوا اور اس آیت میں دونوں معنوں کا احتمال ہے پس اگر مراد وہ رزق ہے جو مقدر ہو چکا اس وقت ثم محض ترتیب ذکری کے لئے ہے (اور ترتیب وقوع کے لئے نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ پیدا کرنے کے بعد رزق مقدر فرمایا حالانکہ تقدیر سابق ہے ایجاد سے) اور اگر مراد اس سے وہ رزق ہے جو وجود کے بعد ظاہر کیا گیا سو آگاہ کرنا ہے تا کہ عبرت حاصل ہو (یعنی تخلیق کے بعد جو رزق دیا جاتا ہے وہ ظاہری ہے پھر بتلا دینے سے کیا فائدہ؟ جواب دیا کہ اہل غفلت کو آگاہ کرنا مقصود ہے) اور مقصود اس آیت سے جس کے لئے یہ بیان کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت کا ثابت کرنا ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ اے غیر اللہ کے پرستش کرنے والو اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر روزی پہنچائی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو جلائے گا، آیا یہ اوصاف غیر اللہ میں پاتے ہو یا کسی مخلوق میں ان اوصاف کا ہونا ممکن ہے، سو جو ذات ان اوصاف میں یگانہ ہے اس کی الوہیت کا اقرار کرنا چاہئے، اور اسی کو ربوبیت میں واحد سمجھنا چاہئے، اسی واسطے اس کے بعد فرمایا هل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون یعنی آیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں

سے کچھ بھی کر سکے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں، تیسری آیت رزق کے مقدمے میں یہ ہے وامر اهلک بالصلوٰة واصطبر علیها لا نسألک رزقا، نحن نرزقک والعاقبة للتقوىٰ یعنی حکم کروائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو نماز کا اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی نہیں مانگتے ہم تم کو خود روزی دیں گے اور نیک انجام تقویٰ کا ہے اور اس آیت میں چند فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ

جاننا چاہئے کہ اگر چہ مخاطب اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر اس کا حکم اور وعدہ آپ کی امت کے ساتھ بھی متعلق ہے پس ہر بندے کو یہی کہا جاتا ہے وامر اهلک بالصلوٰة واصطبر علیها لانسألک رزقا نحن نرزقک والعاقبة للتقوىٰ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب جاننا چاہئے کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر، کیونکہ جیسا اسباب دنیاوی سے ان کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کی حاجت کا خیال رکھنا تجھ پر واجب ہے اسی طرح یہ سلوک کرنا بھی تجھ پر واجب ہے کہ ان کو اطاعت الٰہی کی طرف لائے[1] اور اس کی نافرمانی سے بچائے اور جیسا تیرے گھر والے دنیوی سلوک کے مستحق ہیں اسی طرح سلوک اخروی کے بھی مستحق ہیں، دوسرے یہ کہ وہ لوگ تیری رعیت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته یعنی تم میں ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حال پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وانذر عشیرتک الاقربین یعنی اپنے قرابت والے کنبے کو ڈراؤ جیسا یہاں فرمایا وامر اهلک بالصلوٰة۔

دوسرا فائدہ

دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں اول یہ فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو، پھر حکم کیا کہ تم بھی دوام کرو تا کہ یہ بات جتلا دے کہ یہ آیت خاص اسی مضمون کے لئے بیان کی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز پڑھاؤ اور دوسرا مضمون تبعاً ضمناً آ گیا ہے

---

[1] اس تدبیر کو تدبیر محمود کہتے ہیں اور جو تدبیر آخرت کیلئے ہو وہ محمود ہے۔ (ملفوظات شریف)

اگرچہ بذات خود وہ بھی مقصود ہو لیکن چونکہ بندہ یقیناً جانتا ہے کہ مجھ کو تو نماز کا حکم ہے ہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے بندوں کو ایسے امر سے آگاہ فرمائے جس کا مہمل چھوڑ دینا ممکن ہے۔

(ف) یعنی گھر والوں کو نماز پڑھوانا۔

اس لئے اپنے رسول کو حکم فرمایا تاکہ دوسرے لوگ بھی سنیں اور پیروی کریں پھر اس کی طرف دوڑیں اور اس کی بجا آوری پر دوام کریں۔

تنبیہ

جاننا چاہئے کہ تجھ پر واجب ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرے جیسے بیوی لونڈی بیٹی اور ان کے سوائے جو اپنے متعلق ہوں اور نماز چھوڑنے پر ان کو مارنا بھی جائز ہے اور اللہ کے پاس تیرا یہ عذر مقبول نہیں کہ میں نے تو کہا تھا مگر انہوں نے سنا ہی نہیں اگر گھر والوں کو یقین آ جائے کہ تجھ پر ان کا نماز چھوڑنا اس قدر شاق ہے جیسے کھانا بگڑ جانا یا کسی ضروری کام کا رہ جانا تو ہرگز نماز نہ چھوڑیں مگر ان کو تو عادت ہوگئی ہے کہ تو ان سے اپنے حظوظ نفسانیہ میں مطالبہ کرتا ہے اور اللہ کے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا، اسی واسطے وہ لوگ ان حقوق کی رعایت نہیں رکھتے اور جو شخص خود نماز کا پابند ہو اور اس کے گھر والے نماز نہ پڑھتے ہوں اور وہ ان کو تاکید ہی نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز ان ہی لوگوں کی جماعت میں اٹھے گا جو نماز کو ضائع کرنے والے تھے اور اگر کوئی کہے کہ میں نے تو ان سے کہا تھا مگر انہوں نے نہیں کیا اور ان کو نصیحت کی تھی مگر انہوں نے نہیں مانا اور مار پیٹ کی بھی سزا دی مگر وہ کسی طرح سے سیدھے ہی نہیں ہوتے اب میں کیا کروں جواب یہ ہے کہ تجھ کو چاہئے کہ جس کی مفارقت طلاق و بیع سے ممکن ہے اس سے مفارقت کر اور جس سے مفارقت ممکن نہیں اس سے اعراض کر اور اللہ کے لئے ان سے بولنا چھوڑ دے کیونکہ اللہ کے لئے کسی سے جدا ہونا اللہ سے وصل کرنا ہے۔

تیسرا فائدہ

جو فرمایا کہ واصطبر علیہا یعنی نماز پر صبر کرو اور قائم رہو اس میں اشارہ ہے کہ نماز میں نفس کو کسی قدر تکلیف ہوتی ہے جو نفس پر شاق ہے کیونکہ نمازیں لوگوں کے لذات واشغال کے وقت میں آتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے روبرو کھڑا ہو اور غیر اللہ سے

بالکل فارغ ہو جاو دیکھو صبح کی نماز کیسے نیند کے مزیدار وقت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اپنے حظوظ میرے حقوق کے لئے اور اپنی مراد میری مراد کے لئے چھوڑ دے اسی واسطے صبح کی آذان میں خاص کر کے دوبارہ یہ پڑھا گیا الصلوۃ خیر من النوم رہی ظہر کی نماز وہ بھی قیلولے کے اور محنت اور مشقت سے رجوع کرنے کے وقت آتی ہے، رہی عصر کی نماز وہ بھی ایسے وقت آتی ہے کہ لوگ اپنی تجارتوں اور پیشوں میں غرقاب ہوتے ہیں اور اسباب دنیوی پر متوجہ ہوتے ہیں، رہی مغرب کی نماز وہ بھی کھانا کھانے کے اور اپنے بدن کی اصلاح و اہتمام کے وقت آتی ہے، رہ گئی عشا کی نماز وہ بھی ایسے وقت میں آتی ہے کہ دن بھر کا تکان ہوتا ہے، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واصطبر علیھا اور فرمایا حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ یعنی چوکسی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً نماز عصر کی اور فرمایا ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً یعنی نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی اور وقت مقرر کی ہوئی ہے اور فرمایا اقیموا الصلوۃ یعنی نماز قائم کرو اور دلیل اس کی کہ نماز کے اہتمام کرنے میں تکلیف عبودیت ہے اور اس کا اہتمام خلاف مقتضائے بشریت ہے یہ ارشاد خداوندی بس ہے واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین یعنی صبر چاہو سہارا اور نماز کا، نماز بے شک بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر، بس صبر اور نماز کو ایک ساتھ لانا اشارہ ہے کہ نماز میں کئی طرح کے صبر کی حاجت ہے، ایک صبر کرنا، اس کی پابندی اوقات پر دوسرے بجا آوری واجبات وسنن پر تیسرے دفع غفلت کے اسباب پر اسی واسطے اس کے بعد یوں فرمایا وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین سو نماز کو علیحدہ کر کے بیان کیا اور صبر کو جدا بیان نہیں کیا، کیونکہ اگر صبر کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے وانہ لکبیر۔

(ف) کیونکہ صلوٰۃ مؤنث ہے اور صبر مذکر۔

پس اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ صبر اور صلوٰۃ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں گویا دونوں ایک ہی چیز ہیں، جیسے دوسری آیت میں ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ یعنی اللہ اور رسول کا راضی رکھنا زیادہ لائق ہے اور فرمایا والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ یعنی جو لوگ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا چاندی اور صرف نہیں

کرتے اس کو اللہ کی راہ میں اور فرمایا واذا راؤ تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا یعنی جب دیکھتے ہیں وہ لوگ تجارت یا کھیل کو چلے جاتے ہیں اس کی طرف پس اچھی طرح سمجھ لو۔

(ف) مقصود ان سب مثالوں سے یہ ہے کہ جیسے ان آیتوں میں دو دو چیزوں کا ذکر فرما کر ضمیر مفرد کی لائے اور مقصود دونوں چیزیں ہیں مگر تلازم کی وجہ سے ضمیر واحد پر اکتفا کیا مثلاً یرضوہ کی ضمیر میں اللہ اور رسول دونوں مقصود ہیں لا ینفقونھا کی ضمیر میں ذہب وفضہ دونوں مقصود ہیں انفضوا الیھا کی ضمیر میں لہو و تجارت دونوں مقصود ہیں اسی طرح آیت مافیہ البحث میں بھی انھا لکبیرۃ ضمیر مفرد کی لائے، جو بوجہ تانیث کے صلوٰۃ کی طرف راجع ہے مگر مقصود صبر و صلوٰۃ دونوں ہیں باہم ان دونوں کا تلازم موجب اکتفائے ضمیر واحد ہو گیا، فافہم۔

اور نماز کی بڑی شان ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انّ الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر یعنی بے شک نماز باز رکھتی ہے بے حیائی اور بری بات سے رسول[1] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ سب اعمال میں افضل عمل کون ہے آپ نے فرمایا نماز پڑھنا اپنے وقت پر اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کو سب سے زیادہ قرب خداوندی سجدے میں میسر ہوتا ہے اور ہم نے غور کر کے دیکھا تو نماز میں اتنی عبادتیں جمع ہیں کہ دوسرے عمل میں نہیں مثلاً پاک ہونا، خاموش رہنا کلام دنیا سے قبلے کی طرف رخ کرنا تکبیر کے ساتھ شروع کرنا قرآن پڑھنا کھڑا ہونا جھکنا سجدہ کرنا رکوع و سجود میں اللہ کی پاکی بیان کرنا سجدے میں دعا کرنا اور بہت سی عبادتیں ہیں پس نماز متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے کیونکہ صرف ذکر کرنا ایک مستقل عبادت ہے صرف قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے اسی طرح تسبیح و دعاء و رکوع و سجود قیام میں ان میں

---

[1] یہ تین حدیثیں ہیں اول مثل ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لوقتھا ثانی قال صلی اللہ علیہ وسلم المصلیٰ نیاجی ربہ ثالث، قال صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یکون العبد من ربہ فی السجود۔ (تنویر) [2] کوئی ڈوم کسی بزرگ سے بیعت ہوا انہوں نے پابندی جماعت کا عہد لیا اکثر اوقات عین گرمی مجلس نشاط میں اذان ہوتی وہ چھوڑ چھاڑ اٹھ جاتا، آخر وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس امر سے تنگ ہو گئے، سب افعال اس کے چھوٹ گئے۔ (ملفوظ شریف)

ہر عمل جداگانہ عبادت ہے اور اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو نماز کے اسرار وانوار میں ہم تفصیلی گفتگو کرتے اس مقام پر اتنی ہی جھلک کافی ہے، والحمد لله۔

چوتھا فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے لا نسئلک رزقا، نحن نرزقک یعنی ہم تم سے یہ سوال نہیں کرتے کہ تم اپنے کو یا اپنے گھر والوں کو رزق دو اور ہم تم کو یہ حکم کیسے کریں اور یہ تکلیف کس طرح دیں کہ تم اپنے رزق دو حالانکہ تم کو اس کی قدر نہیں اور ہماری شان کے کب لائق ہے کہ تم کو خدمت کرنے کو کہیں اور تمہاری روزی کا سرانجام نہ کریں گویا جب خدائے تعالیٰ نے جانا کہ لوگوں کو رزق طلب کرنا دوام طاعت میں خلل انداز ہوگا اور یہ فکر فراغ طاعت سے مانع ہوگی اس لئے اپنے رسول کو خطاب فرمایا تا کہ اور لوگ سنیں پس فرمایا وامر اهلک بالصلوٰة علیها لا نسالک رزقاً نحن نرزقک یعنی تم ہماری خدمت بجا لاؤ ہم روزی کا تمہارے لئے سرانجام کریں گے اور یہ دو چیزیں ہیں ایک چیز کا تو اللہ کفیل ہو گیا ہے اس سے بدگمانی مت کرو یعنی رزق دوسری چیز تجھ سے طلب کی ہے اس کو مت چھوڑ یعنی عبادت پس جو شخص اللہ کے ذمے کی ہوئی چیز کی تحصیل میں لگ کر اس کی طلب کی ہوئی چیز کو چھوڑ بیٹھا یعنی رزق کے پیچھے عبادت چھوڑی اس کی بڑی جہالت اور بہت غفلت ہے اور جگانے سے بھی نہیں جاگتا بلکہ بندے کو سزاوار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے طلب کیا اس میں لگ جائے اور جس کی اس نے خود ذمہ داری کر لی ہے اس سے بے فکر رہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ جب منکرین کو رزق دیتا ہے تو مومنین کو کیسے نہ دے گا اور اہل کفر پر جب رزق جاری کر رکھا ہے تو اہل ایمان پر کیسے جاری نہ فرمائے گا، پس اے بندے تجھ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا کا تو ذمہ ہو گیا اس قدر کہ تیری کجی کو سیدھا کر دے یعنی بقدر کفایت اور آخرت کی تجھ سے طلب ہے یعنی آخرت کے لئے عمل کرنا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وتزودوا فان خیر الزاد التقوی یعنی توشہ لے لو، بے شک اچھا توشہ تقویٰ ہے، پس تیری عقل بصیرت کس طرح ثابت ہو حالانکہ تجھ کو مضمون کے اہتمام[1] نے مطلوب کے اہتمام سے غافل کر رکھا یہاں تک کہ کسی

---

[1] اس کی شرح اوپر اچھی طرح آچکی ہے۔ (مترجم)

بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا کی کفالت کی اور آخرت کو طلب فرمایا کہ کاش آخرت کی کفالت فرما لیتے اور دنیا طلب کرتے اور **نحن نرزقک** صیغہ مضارع سے اس لئے لائے تاکہ استمرار و دوام پر دلالت کرے کیونکہ **انا اکرمک** صیغہ مضارع کے ساتھ اور **اکرمتک** ماضی کے ساتھ برابر نہیں کیونکہ **انا اکرمک** کے معنی تو ہیں کہ بار بار اکرام ہوتا ہے اور **انا اکرمتک** ماضی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اکرام ہو چکا تکرار دوام پر دلالت نہیں پس **نحن نرزقک** کے یہ معنی ہوئے کہ ہم بارہا و ہمیشہ رزق دیتے رہتے ہیں اپنی منت تم سے معطل نہیں کرتے اپنی نعمت تم سے منقطع نہیں کرتے اور جیسا ہم نے بندوں پر ایجاد سے احسان کیا اسی طرح دوام امداد کا سرانجام کیا اس کے بعد فرمایا **والعاقبة للتقوىٰ** یعنی انجام کی بھلائی تقویٰ کے لئے ہے گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ جب تم اسباب دنیا سے منہ موڑ کر اور اس کے اشغال کو چھوڑ کر ہماری خدمت میں لگے رہو گے اور ہماری طاعت کی طرف متوجہ رہو گے تو تمہارا رزق امیروں کا سا اور تمہارا عیش فراغت والوں کا سا نہ ہوگا لیکن اس حالت پر صبر کیجیو کیونکہ عاقبت کی خوبی اہل تقویٰ ہی کے لئے ہے، جیسا اس آیت سے اول فرمایا **ولا تمدن عينيک الیٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيوٰة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربک خير وابقیٰ** یعنی اپنے آنکھیں مت بڑھاؤ اس چیز کی طرف کہ فائدہ دیا ہم نے اس سے کفار کی جماعتوں کو وہ رونق ہے زندگی دنیا کی، تاکہ ہم اس میں ان کو فتنے میں ڈالیں اور روزی تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی اگر کوئی اعتراض کرے کہ تقویٰ کے ساتھ عاقبت ہی کو کیوں مخصوص فرمایا کیونکہ اہل تقویٰ کو تو حسن عاقبت کے ساتھ دنیا میں بھی مزے کا عیش ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **من عمل صالحاً من ذكر او انثیٰ وهو مؤمن فلنحيينه حيوٰة طيبة** یعنی جو شخص نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت مگر مومن ہو زندگی دیں گے ہم اس کو اچھی زندگی جواب سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کی عقل کے موافق خطاب فرماتا ہے گویا یہ معنی ہوئے کہ اے بندو اگر تم کو یہ خیال ہے کہ اہل غفلت وعدوان کے لئے دنیا ہے تو اہل تقویٰ کے لئے عقبیٰ ہے **والعاقبة للتقوىٰ** پس لوگوں سے

ان کی عقل وفہم کے موافق خطاب فرمایا جیسا کہ آیا ہے الله اکبر اگرچہ کوئی اس کے سوا بڑائی نہیں رکھتا جو اس کہنے کی ضرورت ہو کہ الله اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے لیکن چونکہ نفوس آثار قدرت کی بڑائی مشاہدہ کر رہے ہیں جیسا خود فرمایا لخلق السموٰت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنی البتہ پیدائش آسمانوں اور زمین کی بہت بڑی ہے پیدائش سے آدمیوں کی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے پس گویا یوں کہا گیا کہ اگر تم کو کسی شیء میں خواہ مخواہ بڑی نظر ہی آتی ہے تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے اور ہر بڑے سے بڑا ہے جیسے آیا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نماز زیادہ بہتر ہے سونے سے بجائے اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ سونے میں بالکل بہتری نہیں تو نفوس یوں کہتے کہ ہم تو اس کی لذت اور راحت دیکھ چکے ہیں اس لئے اس کے علم کو تسلیم کر کے کہا گیا کہ جس کی طرف ہم تم کو بلاتے ہیں یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں یعنی نماز سونے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ جس سونے کی طرف تم مائل ہو رہے ہو وہ بے بقا ہے اور جس کی طرف بلا رہے ہیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کی جزا ہمیشہ باقی رہے گی، کبھی فنا نہ ہو گی اور اللہ کے پاس[1] چیزیں زیادہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔

فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کو اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اللہ کے رزق کو کیونکر ڈھونڈھیں سو جب ان پر اسباب معیشت تنگ ہوں گے وہ زیادہ خدمت و اطاعت کریں گے، وجہ یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بات انکو بتلائی ہے تم خیال نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے وأمر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسالک رزقاً نحن نرزقک سو وعدہ رزق کا دو امر کے بعد فرمایا ایک گھر والوں کو نماز پڑھوانا دوسرے خود اس کی پابندی کرنا ان دونوں امر کے بعد فرمایا نحن نرزقک پس اہل معرفت سمجھ گئے کہ روزی کی راہیں بند ہوں اور دروازہ رزق کو اس طرح کھولنا شروع کریں کہ رزاق سے معاملہ اچھا رکھیں یہ نہیں جیسے اندھے غافلوں کی عادت ہے جب اسباب دنیا تنگ

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا وما عند الله خیر وابقیٰ۔ (مترجم)

ہوئے انہوں نے اور زیادہ مشقت شروع کی اور غفلت والے دل اور بھولی ہوئی عقل سے اور بھی دنیا پر پڑ گئے، اور اہل معرفت ایسا معاملہ کیوں نہ کرتے جب اللہ کا حکم سن چکے کہ فرماتا ہے واتوا البیوت من ابوابھا یعنی گھر والوں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو ان کو یقین ہوا کہ رزق کا دروازہ رزق دینے والے کے اطاعت ہے پھر نافرمانی سے رزق کیسے طلب کیا جائے اور اس کی مخالفت سے کیونکر باران فضل کی درخواست کی جائے حالانکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے[1] اللہ کی نعمتیں اس کو ناراض کر کے نہیں ملتیں بدوں اطاعت روزی نہیں مانگی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک جگہ واضح فرما دیا ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ اس کے لئے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہ تھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے لو استقاموا علی الطریقۃ لا سقیناھم ماءً غدقاً یعنی اگر وہ لوگ سیدھی راہ مستقیم پر رہتے تو ہم ان کو فراغت کا پانی دیتے اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دونوں رزق کی کنجی ہے، دنیا کے رزق کی بھی اور آخرت کے رزق کی بھی جیسے فرمایا ولو ان اھل الکتاب امنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیاتھم ولا دخلناھم جنت النعیم، ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم یعنی اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن کی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت کی بہشتوں میں داخل کرتے؟ اور اگر وہ لوگ قائم رکھتے تورات کو اور انجیل کو اور اس کتاب کو جو اتاری گئی ہے ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے یعنی قرآن تو البتہ کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے یعنی اوپر سے تو بارش ہوتی اور نیچے سے پیداوار، پس حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا کہ اگر وہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے یعنی ان کے احکام پر عمل کرتے اوپر نیچے سے ان کو کھانے کو ملتا یعنی ہم ان پر روزی کو فراخ کرتے اور ہمیشہ ان پر خرچ کرتے رہتے مگر انہوں نے تو جو ہم چاہتے تھے وہ نہیں کیا اس لئے ہم نے بھی جو وہ چاہتے تھے وہ نہیں کیا یعنی انہوں نے طاعت نہ کی اور ہم نے وسعت نہ کی۔

---

[1] حدیث یہ ہے لا ینال من عند اللہ بالسخط۔ (تنویر)

چوتھی آیت

مقدمہ رزق میں یہ ہے **وما من دآبة في الارض الا على الله رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها كل في كتاب مبين** یعنی نہیں کوئی جاندار زمین پر چلنے والا مگر اللہ کے ذمے ہے اس کی روزی اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اقرار کی جگہ اور سپردگی کی جگہ سب موجود ہے کھلی کتاب میں، اس آیت نے حق تعالیٰ کا کفیل[1] رزق ہونا صاف بتلا دیا اور تمامی وسوسوں اور خطروں کو اہل ایمان کے قلوب سے مٹا دیا کہ اگر کبھی خطرات آنا چاہتے ہیں تو لشکر ایمان اور توکل کے ان پر حملہ کر کے بھگا دیتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق** یعنی بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے پس یکا یک جاتا رہتا۔

پس اپنے اس ارشاد سے کہ **وما من دابة في الارض الا على الله رزقها** اپنے بندوں کی کفالت فرمائی تا کہ صفت مودت کے ساتھ اس کی معرفت ہو اگر چہ یہ اس کے ذمے واجب نہیں بلکہ اپنی ذات پر بطور کرم و احسان کے لازم ٹھہرالیا پھر یہ کہ اس کفالت کو عام فرما دیا گویا معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے شخص میری کفالت اور رزاقی تیرے ساتھ کچھ مخصوص نہیں بلکہ زمین پر جتنے جاندار ہیں میں سب کا ذمے دار اور روزی رساں ہوں اس سے میری کفالت کی وسعت اور استغنائے ربوبیت اور احاطہ قدرت کو قیاس کر لے اور میرے کفیل ہونے پر وثوق کر اور مجھ کو کارساز سمجھ سو ہر گاہ تو میری تدبیر و رعایت و کفالت کو اور حیوانات کے لئے دیکھتا ہے سو تو اشرف الانواع ہے اور زیادہ مستحق ہے کہ میری کفالت پر وثوق کرے اور میرے فضل پر نظر رکھے دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا ہے **ولقد[2] كرمنا بني آدم** یعنی ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی دوسرے حیوانات پر اس طرح کہ ان کو اپنی خدمت کیلئے حکم کیا اور اپنی بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اپنی درگاہ میں بلایا اور انسان کا مکرم ہونا بہ نسبت دوسری مخلوقات کے یوں واضح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس کے لئے پیدا ہوئی اور یہ درگاہ خداوندی کے پیدا ہوا۔

---

[1] یہ رزق مضمون کہلاتا ہے اور دوسرا رزق موعود، تیسرا مبسوط، چوتھا معلوم (ملفوظ شریف)

[2] ای بالمعرفة والنقل ۔(ملفوظ شریف)

میں نے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے کہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے پیدا کیا اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا سو اپنی مملوک میں لگ کر مالک کو مت بھول اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا والارض وضعها للانام یعنی زمین کو مخلوق کے لئے پیدا کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعاً منه یعنی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے اور میں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تمام کائنات تیرے غلام ہیں کہ ان کو تیرے کام میں لگا رکھا ہے اور تو غلام درگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن لتعلموا ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما یعنی اللہ ایسا ہے جس نے پیدا کئے سات آسمان اور زمین بھی اتنا ہی نازل ہوتا ہے حکم ان سب میں تاکہ تم جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو علم سے سو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ تمام آسمان و زمین اسی لئے پیدا ہوئے کہ تجھ کو علم حاصل ہو جب تجھ کو معلوم ہو گیا کہ تمام کائنات تیرے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں خواہ برتنے کو یا نظر و فکر کرنے کو کہ یہ بھی ایک نفع ہے تو اب یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تیری خاطر پیدا کیا ہے جب ان کو رزق دیتا ہے کہ تجھ کو کیسے نہ دے گا تم نے یہ آیتیں نہیں سنی وفاکهة وابا متاعاً لکم ولانعامکم یعنی تمہارے لئے پیدا کیا میوہ اور گھاس تمہارے فائدے کو اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کو اور جملہ یعلم مستقرها ومستودعها کفیل ہونے کی تاکید ہے یعنی کسی جاندار کا مقام اور حال اس پر مخفی نہیں بلکہ سب جانتا ہے اور ہر ایک کے پاس اس کا حصہ پہنچاتا ہے۔

پانچویں آیت

مقدمہ رزق میں یہ ہے وفی[1] السماء رزقکم وما توعدون فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون یعنی آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس چیز

---

[1] ای فی السماء الصوری رزقکم الحسی وفی السماء المعنوی من الحقائق والمعارف۔ (ملفوظ شریف)

کا تم سے وعدہ ہے پس قسم ہے پروردگار آسمان وزمین کی کہ یہ بات سچی ہے کہ جیسے تم بول رہے ہو اور یہ وہ آیت ہے جس نے شکوک کو اہل ایمان کے قلوب سے دھو ڈالا اور ان کے قلوب میں انوار یقین کو روشن کر دیا پس ان قلوب پر اصل مقصود کے علاوہ بہت سے زائد مضامین وارد کئے چونکہ اس میں فوائد تھے کیونکہ یہ آیت اتنی چیزوں کو شامل ہے ذکر، رزق، محل رزق، قسم کھانا اس پر تشبیہ دینا ایسے امر سے جس میں ذرا خفا نہیں اب ہم کو چاہئے کہ سب فوائد ایک ایک کر کے بیان کریں۔

پہلا فائدہ

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ معلوم ہے کہ نفس کو مقدمہ رزق میں بڑا اضطراب[1] ہوتا ہے اس لئے بار بار اس کا ذکر فرمایا چونکہ اس کے عوارض قلوب پر بار بار وارد ہوتے ہیں جیسے جب معلوم ہوا کہ شبہ جانب مقابل کے دل میں بہت جما ہوا ہے دلیل کو بار بار بیان کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حق ہونے پر متعدد آیتوں میں استدلال فرمایا چونکہ ملحدین اس میں بہت اضطراب کرتے ہیں اور اس کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ جب آدمی کے جوڑ علیحدہ ہو گئے اس کی ترکیب مضمحل ہو گئی اور مٹی ہو گیا یا درندوں اور کیڑوں مکوڑوں نے کھا لیا پھر وہ زندہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے دلائل بیان کئے ایک ان میں سے یہ آیت ہے وضرب لنا مثلاً ونسی خلقه قال من یحیی العظام وھی رمیم، قل یحییها الذی انشأها اول مرة یعنی بیان کی انسان نے ہمارے لئے کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کو کہتا ہے کہ کون جلا دے گا ہڈیوں کو جب وہ گل گئی ہوں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیدوں کہ ان کو وہی جلا دے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا اور دوسری آیت میں فرمایا وھو اھون علیه یعنی دوبارہ پیدا کرنا اللہ کو اور بھی آسان ہے اور فرمایا ان الذی احیاھا لمحی الموتیٰ یعنی جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا ایسا ہی جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ مقدمہ رزق میں نفس کا اضطراب بہت بڑا ہوا ہے اس کی دلیل کو کئی آیتوں میں مؤکد فرمایا بعض آیتیں تو گذر چکیں اور بعض ہم نے ذکر

---

[1] وجه الاضطراب ما قال الله تعالیٰ الشیطان یعدکم الفقراء۔ (ملفوظ شریف)

نہیں کیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات لوگوں کے نفسوں کی معلوم تھی، کبھی یوں فرمایا ان اللہ ھو الرزاق کبھی یوں فرمایا اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم کبھی یوں فرمایا نحن نرزقک کبھی یوں فرمایا امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ یعنی بھلا جو تم کو روزی دیتا ہے اگر اپنی روزی بند کرے تو تم کیا کرلو اور اس مقام پر فرمایا وفی السمآء رزقکم وما توعدون تاکہ رزق کا مقام معلوم ہو جائے پھر قلوب کو تسکین ہو جائے اور مقام مبہم رکھنے کے ساتھ جو ذمہ داری ہے وہ اس مرتبہ کی نہیں جو مقام بیان کر دینے کے ساتھ ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ ہم پر واجب تو نہیں کہ تمہارے رزق کا مقام بیان کر دیں بلکہ تمہارا رزق ہمارے پاس ہے جب اس کا وقت آئے گا تمہارے پاس پہنچاویں گے اور ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا ضروری نہیں مگر پھر بھی اپنے لطف ورحمت وفضل ومنت سے مقام رزق کا بیان فرمادیا تاکہ بھروسہ زیادہ ہو اور شک بالکل دفع ہو جائے اور اس میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ مقام جو بیان کر دیا اس میں طالب کی توجہ مخلوق سے بالکل اٹھی گئی اور یہ کہ بجز بادشاہ حقیقی کے کسی سے طلب نہ کریں کیونکہ جب تیرے قلب میں کسی مخلوق کی طرف سے طمع آئی یا کسی سبب پر حوالہ آیا تبھی ارشاد ہوا وفی السمآء رزقکم وما توعدون یعنی اے روزی ڈھونڈھنے والے زمین میں مخلوق سے کہ جو خود ضعیف عاجز ہے تیرا رزق اس کے پاس نہیں وہ تو میرے پاس ہے اور میں حکومت والا قدرت والا ہوں اسی وجہ سے کسی اعرابی نے جو یہ آیت سنی تو اپنی اونٹنی ذبح کر ڈالی اور سب چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگا اور کہتا ہے سبحان اللہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور اس کو زمین میں ڈھونڈھتا ہوں سو خیال کر تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ وہ اللہ کی بات کو کیسے سمجھا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا یہی ہے کہ اپنے بندوں کی ہمتیں اپنی طرف متوجہ کرے اور ان کی رغبت اسی چیز میں ہو جو خدا کے پاس ہے، جیسا دوسری آیت میں فرمایا وان من شیء الا عندنا خزآئنہ وما ننزل الا بقدر معلوم یعنی کوئی ایسی چیز نہیں جو ہمارے یہاں ڈھیر کے ڈھیر نہ ہوں اور ہم ایک معین انداز سے زیادہ نازل نہیں کرتے یہ بھی اسی لئے فرمادیا تاکہ ہمتیں اس کے دروازے کی طرف بڑھیں اور تاکہ قلوب اس کی درگاہ کی طرف جھکیں سو خدا کی تجھ پر عنایت ہو آسمان والا بلندی والا

بن زمین والا پستی والا مت ہو اسی واسطے کسی نے کہا ہے۔

جب تجھے پانی نہ دے دست لئیم　　رکھ قناعت سے شکم کو تو بھرا
ہو اگرچہ جسم تیرا خاک پر　　رہ مگر ہمت سے بالائی سما
جان دینا سہل ہے لیکن ہے سخت　　آبرو کھو کر کے کرنا التجا

اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباسؒ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ واللہ میں نے کسی بات میں عزت نہ دیکھی مگر اس میں کہ مخلوق سے امید اٹھائی جاوے اور اس مقام پر اللہ کا ارشاد یاد کر وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین یعنی اللہ ہی کی عزت اور رسول کی اور مومنین کی پس اللہ تعالیٰ نے جو عزت مومن کو دی ہے اس سے اس نے اپنا قصد مولیٰ کی طرف متوجہ کر دیا اور اللہ پر وثوق کیا نہ اور کسی پر اور اللہ سے شرم کر کہ اس نے تجھ کو خلعت ایمان پہنایا اور زینت معرفت سے آرائش دی اس کے بعد بھی تجھ پر غفلت و نسیاں غالب ہے کہ مخلوق کی طرف راغب ہے اور غیر اللہ سے جود و احسان کا طالب ہے اسی واسطے کسی نے کہا ہے۔

مجھے اس نے حکم حقائق دیا　　کرم مجھ پہ خالق نے کیا کیا کیا
کیا مطلع مجھ کو ملکوت پر　　میں اس پر بھی اوروں سے مانگوں گا کیا

اگر تجھ کو نفس غافل کہے کہ اپنی حاجت مخلوق کی طرف لیجا سو تو اس کی طرف لیجا جس کی طرف وہ مخلوق بھی اپنی حاجت لے جاتی ہے اور نفس کو یہ بات بڑی سہل ہے کہ تو اس کی خواہش پورا کرنے کے لئے اپنی ایمان کی بے قدری کر لے اور اس کی آرزو حاصل کرنے کے لئے اپنے کو خوار کرے جیسا کسی نے کہا ہے۔

نفس نے بس اپنی عزت کے لئے　　میری ذلت کو گوارا کر لیا
کہتا ہے یحییٰ ابن اکثم سے تو مانگ　　میں کہا کر رب یحییٰ سے دعاء

اور مومن کے لئے یہ امر نہایت زشت ہے کہ باوجود یقین وحدانیت اور یگانگی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے پھر اوروں کے روبرو اپنی حاجت پیش کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن رہا ہے الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں اور یہ امر

لے اسی واسطے بزرگوں نے الحرام سوء الظن کو حق نفس میں فرمایا ہے ۱۲۔ (ملفوظ شریف)

یوں تو ہر شخص سے زشت ہے مگر مومن سے ہو تو زشت تر ہے اور اس ارشاد خداوندی کو یاد کرنا چاہئے یایها الذین امنوا اوفوا بالعقود یعنی اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو جو عہد تو نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی حوائج اور کسی سے پیش نہ کرے گا اور اسی پر توکل کرے گا اور یہ عہد اس اقرار ربوبیت سے لازم آتا ہے جو یوم میثاق میں الست بربکم کے جواب میں ہوا تھا یہ کیسی بات ہے کہ وہاں تو اس کی معرفت اور توحید حاصل تھی یہاں آ کر بھلا دیا حالانکہ اس کے احسانات تجھ پر پیاپے ہو رہے ہیں اور اس کے فضل ومنت نے تجھ کو گھیر رکھا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

دل میں میرے گھر تمہارا ہو گیا	اب نہ لیلےٰ اور نہ شیریں کی ہے جا
آپ کو جانا تھا میں میثاق میں	کیا بڑھاپے میں تمہیں دونگا بھلا

اور خلق سے ہمت کو بلند رکھنا یہی فقراء کی میزان اور مردوں کی پہچان ہے اور جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے ایسے ہی احوال وصفات کا بھی وزن کیا جاتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے واقیموا الوزن بالقسط یعنی وزن کو عدل کے ساتھ قائم رکھو تاکہ سچا اپنی راستی سے اور مدعی اپنی آمیزش سے ظاہر ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ[1] اہل ایمان کو اس حالت پر نہ چھوڑیں گا جس میں اب ہو یہاں تک کہ گندے کو پاک سے الگ کر دے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت ومنت سے مدعی فقیروں کو اس طرح جانچا کہ جو کچھ ان کے اندر حب دنیا وشہوت پوشیدہ تھی اسکو ظاہر کر دیا پھر انہوں نے اپنے کو دنیا داروں کے روبرو بیقدر کر دیا ان سے بے تکلفی کرتے ہیں ان سے نرمی کرتے ہیں ان کی خواہش پر ان کی موافقت کرتے ہیں ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہوئے جاتے ہیں بعضوں کو تو دیکھے گا کہ دلہن کی طرح بناؤ سنگار کرتے ہیں ظاہر کی اصلاح میں پھنس رہے ہیں باطن کی اصلاح سے غافل ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں پر ایک دھبہ لگا دیا جس سے ان کا عیب ظاہر ہو گیا اور سب اترا پترا کھل گیا سو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ سچا کرتے ہیں تو ان کی نسبت کہا جاتا عبدالکبیر یعنی خدا کا بندہ اور اللہ والا اب ناراستی کے وبال میں اس نسبت سے نکل کر یوں کہا جاتا ہے

---

[1] یہ مضمون ہی آیت کا ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب ۱۲ مترجم

شیخ الامیر یعنی فلاں امیر کا شیخ اور استاد

(ف)وہ دھبہ یہی ہے کہ پہلے خدا کی طرف نسبت ہوتی اب امیر کی طرف ہونے لگی:

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں لوگوں کو اولیاء اللہ کی صحبت سے روکنے والے ہیں کیونکہ عوام لوگ جو ان کی حالت دیکھتے ہیں وہ سب اللہ والوں کو اسی پر قیاس کر لیتے ہیں خواہ سچا ہو یا جھوٹا سو یہ مدعی لوگ اہل تحقیق کی آڑ ہیں اور آفتاب توفیق کے بادل ہیں۔

(ف) جیسا آڑ اور بادل میں اشیاء و انوار چھپ جاتے ہیں اسی طرح اچھے لوگ ان جھوٹوں میں چھپ جاتے ہیں۔

یہ لوگ ان کے نقارے بجا رہے ہیں اور ان کے نشان کھولے کھڑے ہیں اور ان کی زرہیں پہن رکھی ہیں۔

(ف) مطلب یہ کہ ان کی سی وضع بنائے ہوئے ہیں۔

جب حملہ ہوگا الٹے پاؤں بھاگیں گے۔

(ف) یعنی امتحان کے وقت جھوٹے نکلیں گے۔

زبانیں دعویٰ میں چلتی ہیں دل تقویٰ سے بالکل خالی ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا **لیسئل الصادقین عن صدقهم** یعنی اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے صدق کی تحقیق کرے گا کیا تو سمجھتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صادقین سے پوچھے گا ان مدعیوں کو بے پوچھے چھوڑ دے گا کیا انہوں نے یہ ارشاد نہیں سنا **وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسوله والمومنون وستردون الیٰ عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون**۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں سے کہہ دو کہ تم اپنے کام کئے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے اور پیغمبر اور اہل ایمان بھی دیکھ رہے ہیں اور قریب ہے لوٹائے جاؤ گے طرف جاننے والے چھپے اور کھلے کے پھر تم کو خبر دے گا اس چیز کی کہ جو تم کرتے تھے پس یہ لوگ وضع تو سچے لوگوں کی ظاہر کرتے ہیں اور عمل اغراض والوں کا سا ہے جیسا کہا گیا ہے۔

خیمے تو ایسے ہیں جیسے ان کے تھے ۔۔۔ عورتیں ان عورتوں کے ہیں سوا

میں قسم کھاتا ہوں ذات پاک کی   لوگ کرتے حج ہیں جس کے بیت کا
آ گیا جب کوئی خیمہ بھی نظر   سامنے ہو کر کھڑا روتا رہا

پس تجھ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اپنی ہمت مخلوق سے بلند رکھنا یہ اہل طریقت کی زینت اور اہل حقیقت کی علامت ہے اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

وہ لگی کرنے جو شکوہ دھر کا   پھر کر رخ اس سے میں نے یوں کہا
شکوہ کیوں کرتی ہے ایسے دھر کا   جس سے مطلق ہو نہ امید وفا
مجھ کو گمنامی سے کیا نقصان ہے   بدر کو کیا ہو چھپایا ہو کھلا
کیوں نہ لوگوں سے بچاؤں آبرو   کیوں نہ دیکھیں ٹھاٹھ شاہانہ مرا
کیوں کروں ظاہر میں ان سے اپنا فقر   سب کے سب عاجز ہیں جب پیش قضا
مانگوں کیوں مخلوق سے خالق کا رزق   گر کروں تو ایسا تو ہے پوری جفا
ہے بڑی کم ہمتی عاجز سے گر!   دوسرا عاجز کرے شکوہ گلا
مانگ رزق اللہ سے جس کا کرم   ہے تمامی خلق کو شامل ہوا
التجا کر اس سے پائے گا مراد   اس کے دروازے سے مت ہو تو جدا

دوسرا فائدہ

یہ جو فرمایا وفی السماء رزقکم اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد ثبات رزق سے ہو یعنی لوح محفوظ میں تمہارا رزق ثبت کر دیا ہے اگر یہ مراد ہے تو اس میں لوگوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور ان کو جتلا دیتا ہے کہ تمہارا رزق یعنی جس چیز سے تم کو رزق دیا جاوے گا ہم اپنے پاس لکھ چکے ہیں اور اپنی کتاب میں ثبت کر چکے ہیں اور اپنی آیات میں اس کو تمہارے ہونے سے پہلے مقدر کر چکے ہیں، اور تمہارے ظہور سے پہلے معین کر چکے ہیں پھر تم کس لئے مضطرب ہوتے ہو اور تم کو کیا ہوا کہ میری قرار نہیں پکڑتے اور میرے وعدے پر وثوق نہیں کرتے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رزق سے مراد سبب رزق ہو یعنی پانی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا یومنون یعنی ہم نے سب زندہ چیزیں پانی سے بنائیں ہیں کیا ان کو یقین نہیں ابن

عباسؓ نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے اس صورت میں رزقکم کے یہ معنی ہونگے کہ جو چیز تمہارے رزق کی اصل ہے دوسرے یہ کہ خود پانی بھی رزق ہے۔

تیسرا فائدہ

یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت سے مقصود حق سبحانہ وتعالیٰ کا لوگوں کو عاجز کرنا ہو اس دعویٰ سے کہ ہم کو اس بات پر قدرت ہے وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو زمین پر نازل ہونے سے روک لے تو تمام سبب والوں کے سبب بیکار ہو جائیں خواہ کھیتی والا ہو یا تاجر ہو یا درزی یا منشی یا اور کوئی پیشہ کا ہو۔

(ف) کیونکہ سب صنعتوں میں بواسطہ یا بلا واسطہ پانی کی حاجت ہے۔

پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے اسباب تم کو رزق نہیں پہنچاتے بلکہ میں رزق دینے والا ہوں اور اسباب میسر کرنا میرے قبضے میں ہے کیونکہ جس چیز کی بدولت تمہارے اسباب درست ہوتے ہیں اور صنعتیں کامل ہوتی ہیں اس چیز کو میں نازل کرتا ہوں یعنی پانی۔

چوتھا فائدہ

رزق کو وما توعدون کے ساتھ لانے میں بڑا فائدہ ہے وجہ یہ کہ مؤمنین کو چونکہ یقین ہے کہ اللہ نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ ضرور ہوتا ہے اور یہ لوگ اس کے جلدی یا دیر میں ہونے پر قدرت نہیں رکھتے نہ اس کی تحصیل کی کوئی تدبیر ان کے پاس ہے پس گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے تم کو اس امر میں شک نہیں کہ ہمارے وعدہ کی کوئی چیز ہمارے پاس ہے اسی طرح اس میں بھی تم کو شک نہ ہونا چاہئے کہ تمہارا رزق بھی ہمارے پاس ہے اور جس طرح تم ہمارے وعدے کے جلدی حاصل کرنے سے قبل وقت عاجز ہو اسی طرح تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جس رزق کو ہماری ربوبیت والوہیت نے ایک خاص وقت پر مقرر کیا ہے تم اس کو جلدی حاصل کر سکو۔

پانچواں فائدہ

اللہ تعالیٰ نے جو قسم کھائی ہے فو رب السمآء والآرض انه لحق مثل ما انکم تنطقون اس میں لوگوں پر بڑی بھاری حجت ہے کہ ایسا سچے وعدے والا جو ایسا وعدہ بھی کبھی خلاف نہیں کرتا وہ لوگوں کے واسطے اس چیز پر قسم کھاتا ہے جس کا ان کے لئے ذمہ لیا

ہے چونکہ اس کو علم ہے کہ نفس میں کیسا شک و اضطراب ہے اس لئے فرشتوں نے جب یہ آیت سنی کہنے لگے یہ آدمی برباد ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب جلیل کو غضبناک کر دیا یہاں تک کہ قسم کھائی کسی نے یہ آیت سن کر کہا سبحان اللہ کس شخص نے ایسے کریم کو قسم کھانے کی ضرورت دلوائی اور جس شخص کی نسبت تم کو یقین ہوتا ہے کہ میرے وعدے پر وثوق کرے گا اس کے سامنے تجھ کو قسم کھانے کی حاجت نہ ہوگی اور جب یہ معلوم ہو کہ اس شخص کو میرے وعدے میں بے اطمینانی ہے اس کے سامنے قسم کھاؤ گے پس اس آیت نے بہتوں کو خوش کیا اور بہتوں کو شرمندہ کر دیا رہے وہ لوگ جن کو خوش کیا وہ تو وہ لوگ ہیں جو پہلے مقام میں ہیں کیونکہ اس قسم سے ان کا اور ایمان بڑھ گیا اور یقین پکا ہو گیا وسوسہ شیطانی اور شکوک نفسانی میں انہوں نے اس سے مدد لی، رہے وہ لوگ جن کو اس آیت نے شرمندہ کیا ان کو خیال ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہماری بے اطمینانی اور اضطراب دیکھ کر ہم کو قائم مقام اہل شک کے ٹھہرا کر قسم کھائی اس خیال نے ان کو اللہ سے شرمندہ کیا اور یہ خجالت مقتضائے فہم ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئے بعضوں کے لئے باعث مسرت ہوتی ہے بعضوں کے لئے باعث حزن وخجالت جیسی کسی کی فہم ہو اور جیسے واردات الہامی ہوں دیکھو جب یہ آیت نازل ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** یعنی آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین تو تمام صحابہؓ خوش ہوئے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مغموم ہوئے کیونکہ وہ اس آیت سے خبر وفات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے اور رونے لگے اور اسی مقام سے ماخوذ ہے کہ کوئی چیز جب کامل ہو جاتی ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ نقصان کی طرف رجوع کرے جیسا کسی نے کہا ہے۔

جب کمال آیا ہوا نقصاں قریب بس ہوا زائل جوں ہی کامل ہوا
گر تو ہو انعام میں رکھ اس کا پاس معصیت کی تو نے اور زائل ہوا

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانا جب تک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اس وقت تک کسی قسم کا نقصان ہو نہیں سکتا۔

(ف) یعنی جب خبر کمال سے اندیشہ ہوا اور انقصان حیات میں ہو نہیں سکتا اس سے خبر وفات سمجھے۔

اور دوسرے صحابہؓ ظاہر بشارت پر خوش ہوئے اور جہاں تک ابو بکرؓ پہنچے تھے وہاں تک نہ پہنچے اس سے ظاہر ہو گیا بھید اس حدیث[1] کا کہ ابو بکر تم سے روزہ نماز میں نہیں بڑھے بلکہ ان کے دل میں ایک چیز بیٹھ گئی ہے پس جس چیز سے ان کو اوروں پر سبقت تھی وہی اس کی موجب ہوئی کہ ایسی بات سمجھے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئی اور اسی کے مثل یہ آیت ہے ان الله اشتریٰ من المؤمنین انفسهم اموالهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل الله فیقتلون ویقتلون یعنی اللہ نے مول لے لیا مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے اموالوں کو اس معاوضہ میں ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اور میں نے شیخ ابو محمد مرجانی رحمۃ اللہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ ایک قوم نے جو اس آیت کو سنا تو اس معاملے سے بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کے چہرے گورے ہو گئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس لائق کیا کہ ان سے خریداری فرمائی اور انکا بڑا مرتبہ بڑھایا کہ ان کو خریداری کے لئے پسند کیا اور نیز بھاری قیمت اور بڑی اجرت سے خوش ہوئے اور ایک قوم نے جو سنا تو ان کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے کہ ان سے ایسی چیز خریدی کہ جس کا خود ہی مالک ہے سو اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی مالکیت کا پوشیدہ دعوے معلوم نہ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ اللہ نے مول لے لیا پس جن لوگوں کے چہرے خوشی سے سفید ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں چاندی کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی اور جن کے چہرے شرمندگی سے زرد ہو گئے ان کو دو باغ ملیں گے جس میں سونے کے برتن ہوں گے اور سب چیزیں بھی سونے کی ہوں گی ختم ہوا کلام شیخ کا۔

(ف) وجہ مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چاندی سفید ہوتی اور سونا زرد۔

سو اگر اہل ایمان میں کچھ بقیہ منازعت کا نہ ہوتا تو ان پر یہ خرید و فروخت واقع نہ ہوتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان الله اشتری کے بعد من المؤمنین فرمایا اور من

---

[1] حدیث یہ ہے ماسبقکم ابو بکر بصوم والصلوٰۃ ولکن بشیء وقرنی صدرہ ۱۲۔ (تنویر)

الانبیآء والمرسلین نہیں فرمایا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ نفس تین قسم کے ہیں ایک وہ جس کی خریداری نہیں کی جاتی بوجہ بیقدر ہونے کے دوسرا وہ جس کی خریداری ہوتی ہے بوجہ ذی قدر ہونے کے تیسرا وہ جس پر خریداری واقع نہیں بوجہ آزاد ہونے کے قسم اول کافروں کا نفس ہے کہ بوجہ بے قدر ہونے کے خریدا نہیں جاتا قسم دوم اہل ایمان کا نفس ہے کہ بوجہ ذی قدر ہونے کے اس کی خریداری ہوئی قسم سوم انبیاء و مرسلین کا نفس ہے کہ بوجہ آزاد ہونے کے ان پر خریداری نہیں واقع ہوئی۔

چھٹا فائدہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی ربوبیت کی قسم کھائی جو کہ آسمان و زمین کی کفیل ہے اور کسی اسم کی قسم نہیں کھائی وجہ یہ کہ ایسی ربوبیت جو آسمان و زمین کی کفالت کیے ہوئے ہے اس پر وثوق کرنے میں کسی ایماندار کو شک نہیں ہو سکتا اور اس کی شان ہی ہے کہ اتنے بڑے عالم کی کفالت کرتی ہے اور جب تجھ کو اس عالم سے نسبت کر کے دیکھیں تو بالکل ایک ناچیز اور بے بود معلوم ہوتا ہے سو رب کہنا افادہ وثوق میں زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت دوسرے اسماء سمیع و علیم و رحمٰن وغیرہ کے خوب سمجھ لو۔

ساتواں فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فورب السمآء والارض انه لحق اور ضد باطل کی ہے اور باطل کہتے ہیں اس معدوم کو جس کا بالکل ثبوت نہ ہو اور رزق حق ہے جیسا رزق دینے والا حق ہے اور رزق میں شک کرنا گویا رازق میں شک کرنا ہے یہاں تک کہ ایک شخص کی حکایت ہے کہ قبروں میں سے کفن چرایا کرتا تھا پھر توبہ کر لی اس نے ایک عارف سے کہا کہ میں نے ایک ہزار کفن چرائے ہیں مگر میں نے سب مردوں کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے پائے اس عارف نے کہا کہ بدگمانی رزق نے ان کے منہ کو قبلے سے پھیر دیا۔

(ف) یعنی چونکہ رازق پر بدگمانی کر کے کہ دیگا یا نہیں دوسرے اسباب کی طرف رخ توجہ کرتے تھے اس کی سزا میں یہ رخ ظاہری بیت اللہ سے پھر گیا۔

آٹھواں فائدہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مثل ما انکم تنطقون اس سے اثبات رزق میں تاکید ہوگئی اور اس کی حقیقت کو ذہن میں جما دیا اور یہ بات بتلادی کہ کسی صاحب ایمان اہل ایقان کو اس میں شک وتردد نہ ہونا چاہئے اور اس کا ثبوت دل کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہے جیسے ظاہری گویائی ان آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے اس لئے معنی کو صورت کی طرف نقل کر دیا اور غیبت کو شہادت سے تشبیہ دی اور مقدمہ رزق میں لوگوں کا شک قطع کر دیا یعنی جیسا تم باتیں کرتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کیونکہ معائنہ سے معلوم ہوتا ہے ایسے ہی تم لوگ مقدمہ رزق میں شک مت کرو کیونکہ نور ایمان سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے سوخیال کر اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے قصے میں کس قدر اہتمام فرمایا اور بار بار اس کا ذکر کیا اور اس کے مقامات بتلائے اس کی نظیر اور مثال محسوسات سے لائے جس میں دیکھنے والے کو ذرا بھی شک نہیں اور صفت ربوبیت کی قسم کھائی جو آسمان وزمین کو محیط ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں بھی اس کا ذکر مکرر آیا ہے ارشاد فرمایا ہے ان روح القدس نفث فی روعی ان نفساً لن تموت حتی تستکمل رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب یعنی جبرئیل نے میرے قلب میں یہ بات پھونک دی کہ کوئی جان نہیں مرے گی یہاں تک کہ اپنا رزق پورا کرے سو اللہ سے ڈرو اور رزق کو طریق جمیل سے ڈھونڈو اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدوا خماصاً وتروح بطاناً یعنی تم کو اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہئے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسا پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے آشیانوں سے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر جاتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب العلم تکفل اللہ برزقہ یعنی طالب علم کے رزق کا اللہ کفیل ہے اور بہت حدیثیں ہیں جو اس بارے میں آئی ہیں فائدہ جاننا چاہئے کہ سبب کا ہونا مقدمہ رزق میں توکل علی اللہ کے خلاف نہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کیونکہ آپ نے یوں فرمایا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب سو مطلب کو مباح فرمایا پس گویا

یوں ارشاد ہوا کہ جب طلب کرو تو طریق جمیل سے طلب کرو یعنی طلب میں اللہ کے ساتھ بر وتفویض رکھو سو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوہ طلب کو مباح فرما دیا اور طلب منجملہ اسباب ہے اور یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے[1] کہ آدمی جو کھاتا ہے اس میں بڑی حلال وہ چیز ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائے اور بہت حدیثیں ہیں جو اسباب کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ اسباب پر ترغیب اور استحسان معلوم ہوتا ہے اسباب میں بہت فائدہ ہیں۔

پہلا فائدہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے قلوب کا ضعیف ہونا اور مشاہدہ قسمت سے قاصر ہونا اور سچے بھروسے سے عاجز ہونا معلوم ہے اس لئے اسباب کو ان کے لئے مباح کر دیا تا کہ ان کے دلوں کو سہارا رہے اور ان کے نفس ثابت رہیں سو یہ اللہ کا ان پر احسان ہے۔

دوسرا فائدہ

یہ ہے کہ اسباب میں آبرو ذلت سوال سے اور رونق ایمان زوال سے محفوظ رہتی ہے جس کا اندیشہ خلقت سے طلب کرنے میں ہے سو تجھ کو اللہ تعالیٰ اسباب سے جو عطا فرماتا ہے اس میں کسی مخلوق کی منت نہیں کیونکہ کوئی یوں احسان نہیں رکھتا کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز خرید لی یا کسی کام پر تجھ کو نوکر رکھا کیونکہ اس نے اپنے حظ نفس میں سعی کی ہے اور اپنی ذات کو نفع پہنچانے کا قصد کیا ہے پس سبب سے بے منت حاصل ہو گیا۔

تیسرا فائدہ

یہ کہ لوگوں کو اسباب میں لگا دینے سے گناہ اور بافراغت مخالفت کرنے سے بچا دیا دیکھو عید وغیرہ میں جب اسباب معطل ہو جاتے ہیں یعنی کوئی کام نہیں رہتا تو غافلین کیسے فرصت میں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی میں غرقاب ہو جاتے ہیں سو انکا کام میں لگا دینا اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

چوتھا فائدہ

یہ ہے کہ اسباب کے سرانجام دینے میں تارکین دنیا پر رحمت ہے اور طالب طاعت

---

[1] اس کے یہ الفاظ ہیں احل ما اکل المؤمن کسب بمینہ ۱۲ (تنویر)

اور فارغین عبادت پر اللہ کا بڑا احسان ہے اگر اہل اسباب سر انجام اسباب نہ کرتے تو خلوت والے کو خلوت اور مجاہدہ والے کو مجاہدہ کیسے بن آیا پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسباب کو ان لوگوں کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا جو اس کی طرف متوجہ ہیں اور ادھر رخ کئے ہوئے ہیں پانچواں فائدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہل ایمان آپس میں مل جل کر رہیں چنانچہ فرمایا انما المؤمنون اخوۃ سو اسباب تعارف باہمی کا باعث اور محبت باہمی کا موجب ہو گئی اور اسباب کا انکار وہی کرے گا جو جاہل ہے یا جو شخص کہ اللہ سے غافل ہے اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو خدا کی طرف بلایا تو اسباب چھوڑنے کا ان کو حکم کیا بلکہ ان کو ایسے اسباب پر قائم رکھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ہدایت کی طرف ان کو بلایا اور قرآن وحدیث دونوں ثبوت اسباب سے پر ہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

دیکھو مریم کو ہوا حکم خدا نخل بن کو تو ہلا اور کھا رطب

چاہتا گر شاخ کر دیتا قریب ہے مگر عالم میں ہر شیء کا سبب

اس شاعر نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً یعنی مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ ہلا اپنی طرف کو شاخ کھجور کی بکھیرے گی تیرے اوپر تازہ چھوارے چنے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی لڑائی میں دو زرہیں اوپر تلے پہنیں اور نیز آپ نے ککڑی کو کھجور کے ساتھ کھایا اور فرمایا یہ اس کی دافع ضرر ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پرندوں کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ صبح کو بھوکے آتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹ جاتے ہیں اس میں بھی اسباب کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ صبح وشام کی آمد ورفت بھی ایک سبب ہے کہ پرندوں کے حق میں قائم کیا گیا یہ ایسا ہے جیسا آدمی صبح وشام اپنے پیشیوں کی طرف جاتے ہیں اور قول فیصل اس مقدمے میں یہ ہے کہ اسباب کا وجود تو ضرور ہونا چاہئے مگر ان پر نظر نہ ہونا چاہئے پس اسباب کو ثابت کر چونکہ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو ثابت کیا ہے مگر اس کا سہارا نہ کر چونکہ اس کی احدیت کا یقین رکھنا ہے اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث میں جو آیا ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب سو اس اجمال سے کیا مراد ہے جواب جاننا چاہئے کہ اجمال فی الطلب کے معنی ہو سکتے ہیں ہم کو اللہ نے جس قدر کھولا ہے وہ ہم تجھ کو بتلاتے ہیں سو جان تو اللہ

کی تجھ پر عنایت ہو کہ روزی ڈھونڈنے والے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو اس میں غرق ہو کر اور تمامی ہمت کو اس میں متوجہ کر کے اس کو طلب کرتا ہے اس میں تو ضرور اس کا رخ اللہ سے پھر جاتا ہے کیونکہ ہمت جب ایک طرف متوجہ ہو گی تو دوسری جانب سے ہٹ جاوے گی شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب ایک طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرف پھیرو گے دوسری طرف سے پھر جاوے گا اور حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے وما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے جوف میں دو دل نہیں بنائے یعنی ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس کا باعث ضعف بشریت ہے کہ دو طرف توجہ ممکن نہیں پس انسان جب کبھی دو طرف متوجہ ہوگا ایک جہت میں ضرور خلل واقع ہوگا اور تمام جہات کا ایک وقت میں سرانجام کرنا اس طرح کہ کسی میں خلل واقع نہ ہو یہ اللہ ہی کی شان ہے اسی واسطے ارشاد فرمایا ہے وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ یعنی وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اس سے یہ بات بتلا دی کہ وہ اہل آسمان کی طرف بھی متوجہ ہے اور اہل زمین کی طرف بھی اہل آسمان کی طرف متوجہ ہونا اہل زمین کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اہل زمین کی طرف متوجہ ہونا اہل آسمان کے حال پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں اور اسی طرح کوئی چیز کسی چیز سے اس کو غافل نہیں کرتی اسی وجہ سے الہ کے لفظ کو اس آیت میں مکرر لائے اور اگر اس لفظ کو مکرر نہ لاتے تو یہ فائدہ لفظ سے حاصل نہ ہوتا، ہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مقتضا تو ہے ہی اسی سے واضح ہو گیا کہ جو شخص رزق کو اس طرح ڈھونڈے کہ اس پر اوندھا ہو کر اللہ سے غافل ہو جائے وہ شخص طلب میں اجمال نہیں کرتا اور جو ایسا نہ ہو وہ اجمال کرتا ہے دوسرے معنی اجمال کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے روزی طلب کرے اور کوئی مقدار اور سبب اور وقت مقرر نہ کرے پس حق تعالیٰ اس کو جو چاہئے اور جس طرح چاہئے جس وقت چاہئے روزی دے اور یہ ادب طلب ہے اور جو شخص روزی طلب کرے اور یا مقدار یا سبب یا وقت معین کرے وہ اللہ تعالیٰ پر حکومت جتلاتا ہے اور غفلت نے اس کے قلب کو گھر لیا ہے، کسی کی حکایت ہے، یوں کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان اسباب کو چھوڑ دوں اور مجھ کو دو روٹی روزانہ کہیں سے مل جایا کریں مقصود یہ تھا کہ کلفت اسباب سے راحت ملے۔

(ف) دیکھو مقدار جو معین کی اس کا وبال آتا ہے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں اتفاقاً قید ہو گیا اور مجھ کو قید خانے میں ہر روز دو روٹیاں ملا کرتیں اسی حالت میں ایک زمانہ دراز گذر گیا یہاں تک کہ تنگدل ہونے لگا ایک روز کچھ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو نے ہم سے دو روٹیاں روز مانگی تھیں اور عافیت نہیں مانگی تھی، سو جو تو نے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دیا میں نے استغفار کیا اور رجوع الی اللہ کیا یکایک کوئی شخص دروازہ قید خانے کا کھٹکاتا ہے پس میں چھوٹ کر باہر نکلا سوائے ایمان والے! اس قصے سے ادب حاصل کر اور یہ مت طلب کر کہ ایک امر سے نکال کر دوسرے امر میں تجھ کو داخل کیا جاوے بشرطیکہ تو جس حالت میں ہے وہ شریعت کے موافق ہو کہ اس طرح طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی ہے پس صبر اختیار کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تو از خود کسی امر سے نکلنا چاہے اور تیرا مطلوب تجھ کو مل جاوے مگر راحت نصیب نہ ہو کیونکہ بہت سے ایسے ہوئے ہیں کہ ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب میں داخل ہوئے تا کہ ثروت و راحت ملے اور وہ تعب میں پڑ گئے اور آسانی کے عوض سختی بڑھ گئی اس سزا میں کہ اپنے لئے یہ صورت تجویز کی تھی اور ہماری ایک دوسری کتاب میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو اسباب میں رکھے اس وقت تجرید طلب کرنا شہوت خفیہ ہے اور اگر تجھ کو تجرید میں رکھے اس وقت اسباب طلب کرنا خلاف ہمت علیہ ہے پس خوب سمجھ لے اللہ کی تجھ پر مہر ہو کہ اس دشمن کی یعنی شیطان کی یہ حالت ہے کہ جس کام میں تو لگا ہو اسی راہ سے تیرے پاس آتا ہے اور تیری نظر میں اس کی تحقیر کرتا ہے تا کہ جس شغل میں تجھ کو اللہ نے رکھا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے میں لگ جاوے پھر تیرا دل مشوش اور وقت مکدر ہو اور یہ یوں ہوتا ہے کہ اہل اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اسباب چھوڑ دو اور مجرد ہو جاؤ تو تمہارے انوار روشن ہوں اور تمہارے قلوب و اسرار صاف اور یوں کہتا ہے کہ دیکھو فلاں فلاں نے ایسا ہی کیا اور حالانکہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے تجرید کی امید ہو نہ اس کو اس قدر طاقت ہے بلکہ اس کی خیریت اسباب ہی میں ہے پس وہ اسباب کو چھوڑ بیٹھا ہے پھر اس کا ایمان ڈگمگ ہونے لگتا

ہے اور یقین جاتا رہتا ہے اور خلقت سے طلب کرنے کی طرف اور رزق کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس دریائے دوری میں پھینک دیا جاتا ہے اور اس دشمن ایمان کا یہی مقصود تھا کیونکہ وہ تیرے پاس خیر خواہ کے پیرایہ میں آتا ہے اس لئے اگر دوسری صورت میں آوے تو اس کی بات کیسے مانے جیسے آدم حوا علیہما السلام کے پاس ناصح بن کر آیا اور کہا **مانھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین** جیسا اوپر بیان ہو چکا اسی طرح تارکین اسباب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کب تک ان اسباب کو چھوڑے رہو گے تم کو معلوم نہیں کہ ترک اسباب میں قلوب کی توجہ لوگوں کے مال میں ہونے لگتی ہے اور دروازہ طعن کا کشادہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں تجھ سے نہ کسی کی حاجت روائی ممکن ہے نہ سخاوت کر سکتا ہے نہ حقوق ادا کر سکتا ہے اور ہمیشہ تو منتظر بیٹھا رہتا ہے کہ کچھ مخلوق سے فتوح ہوا گر تو اسباب اختیار کرے تو پھر اور لوگ منتظر رہا کریں گے کہ ان کو تجھ سے کچھ فتوح ہو اور بہت سی باتیں سوجھاتا ہے اور حالانکہ اس شخص کا وقت خوش تھا اور نور کشادہ تھا اور انقطاع خلائق میں راحت ملی تھی ہمیشہ اس کے سر رہتا یہاں تک کہ اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اسباب کی کدورت اس کو پہنچی ہے اور اس کی ظلمت گھیر لیتی ہے اور جو شخص اسباب میں رہتا ہے اس کی حالت اس شخص سے اچھی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اسباب والا راہ میں چل کر نہیں لوٹا اور مقصود کی طرف متوجہ ہو کر نہیں مڑا۔

(ف) بخلاف اس شخص کے کہ راہ مولا میں قدم اٹھا کر لوٹ آیا اور اعراض کیا نعوذ باللہ.

خوب سمجھ لے اور اللہ کی راہ میں آ جو[1] اللہ کی پناہ میں آیا وہ سیدھی راہ چلا گیا صرف مقصود شیطان کا یہ ہے کہ لوگوں کو جو اپنے اپنے حال میں اللہ تعالیٰ سے رضا نصیب ہے اس سے باز رکھے اور یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حالت ان کے لئے پسند فرمائی ہے اس سے جدا کر کے ایسی حالت میں پھنسا دے جس کو یہ لوگ خود اپنے لئے پسند کریں اور اللہ تعالیٰ جس حالت میں داخل فرماتا ہے اس میں مدد فرماتا ہے اور جس میں تو خود داخل ہو تیرے ہی حوالے کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیا کی طرف ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم ۔۱۲(مترجم)

مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا یعنی دعا کرکہ اے پروردگار داخل کر مجھ کو داخل کرنا اور اچھا اور نکال مجھ کو نکالنا اچھا اور کر میرے واسطے اپنے پاس سے غلبہ حمایت کرنے والا سو مدخل صدق کے یہی معنی ہیں کہ تو اس میں داخل کیا جاوے خود داخل نہ ہو علیٰ ہذا القیاس مخرج صدق کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ کو جو امر تجھ سے مطلوب ہے یہ ہے کہ تجھ کو جس حالت میں قائم کردے وہاں ہی ٹھہر جاوے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرے نکالنے کا سامان کردے جیسا داخل کرنے کا کیا تھا اور یوں کام نہیں چلتا کہ تو سبب کو چھوڑ دے بلکہ بڑی بات تو یہ ہے کہ تو سبب کو چھوڑ دے۔ کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے اتنے اتنے مرتبہ سبب کو چھوڑا مگر پھر لوٹ پھر کر ادھر ہی آیا پھر مجھ کو سبب نے چھوڑ دیا پھر میں ادھر نہیں آیا میں ایک بار شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے پاس آیا اور میرے دل میں تجرید کا پختہ ارادہ تھا اور اپنے جی میں کہتا تھا کہ میری جو حالت اب ہے کہ علم ظاہری میں مشغول ہوں لوگوں سے اختلاط ہوتا ہے اس حالت میں تو وصول الی اللہ بہت بعید ہے میں پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ فرمانے لگے، کہ ایک شخص نے میری صحبت اختیار کی جو علوم ظاہری میں مشغول تھا اور اس میں صدر نشین تھا اس کو کچھ اس طریق کا مذاق ہوا تو میرے پاس آکر کہنے لگا کہ یا حضرت جس شغل میں میں ہوں اس کو چھوڑ کر فراغت سے آپ کی صحبت میں رہوں میں نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تم اپنی حالت میں رہو جو کچھ اللہ نے تمہارے قسمت میں ہمارے ہاتھ سے لکھا ہے وہ تم کو پہنچ کر رہے گا پھر شیخ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ صدیقین کی یہی شان ہے کہ کسی حالت سے خود نہیں نکلتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو نکالے پس میں شیخ کی خدمت میں آیا اور اللہ نے یہ خطرات میرے دل سے دھو ڈالے تھے اور مجھ کو راحت تسلیم میسر ہوئی فی الحقیقت ایسوں ہی کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا، تیسرے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ سے مانگے مگر قصد یہ ہو کہ اللہ سے مناجات کرتا ہوں تو وہ چیز مطلوب نہ ہو، صرف طلب کرنا بہانہ مناجات ہوا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ دعا میں یہ قصد نہ ہونا چاہئے کہ مراد مل جائے کہ اس

---

[1] حدیث یہ ہے هم القوم لا یشقی جلیسهم ۔۱۲ (تنویر)

قصد میں تو اپنے رب سے محجوب ہو جائے گا بلکہ مقصود اعظم مناجات مولیٰ ہو اور منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں پوچھتے پھرا کرتے تھے کہ کوئی شخص خدائے تعالیٰ کو کچھ پیغام دیتا ہے یا صرف اسی واسطے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا زیادہ باتیں ہوں چوتھے معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ طلب کرنے کے وقت یہ مشاہدہ کر کہ جو کچھ تیری قسمت میں ہے وہ خود تجھ کو ڈھونڈتا آئیگا اور تیرا طلب کرنا اس تک نہ پہنچائے گا پس تیری طلب اس حال میں ہونا چاہئے کہ تو دریائے عجز میں غرق ہوا، احتیاط میں غوطہ زن ہوا، کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ حظوظ بشریہ کے لئے طلب نہ ہو بلکہ اظہار عبودیت کیلئے ہو جیسا حکایت ہے کہ حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کبھی ذوق وشوق میں یوں کہتے ہیں۔

جز تیرے مجھ کو کوئی بھاتا نہیں   آزما لے جس طرح چاہے مجھے

پس حبس البول (یعنی پیشاب کا بند ہو جانا) کی بیماری میں مبتلا ہو گئے پس صبر کیا اور مستقل رہے یہاں تک کہ ان کا ایک شاگرد آ کر کہنے لگا کہ اے استاد میں نے گذشتہ شب تمہاری آواز سنی کہ اللہ سے شفاء وعافیت مانگ رہے تھے حالانکہ انہوں نے دعا نہیں کی تھی پھر دوسرا شاگرد آیا پھر تیسرا شاگرد آیا پھر چوتھا آیا ان کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ اپنی محتاجی اور ضرورت عافیت ظاہر کروں پھر اللہ سے شفا چاہی پھر مکتب کے بچوں میں گھومتے پھرتے تھے اور فرماتے تھے اپنے جھوٹے چچا کے لئے دعا کرو، پانچویں معنی اجمال فی الطلب کے یہ ہیں کہ اللہ سے اتنا مانگے جو کافی ہو اور اتنا نہ مانگے جس میں حد سے نکلنے لگے قدر کفایت سے جو زاید ہو اس کی طرف حرص کے ساتھ توجہ نہ ہو نہ رغبت کے ساتھ اس طرف دل کھلنا چاہئے اور یہ بات ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے کہ دعا مانگے اللّٰھم اجعل قوت ال محمد کفافاً یعنی یا اللہ محمدؐ کے گھر والوں کو اتنا دے کہ برابر ہو جائے اور کفایت سے زیادہ طلب کرنے والے قابل نکوہش ہیں اور طالب کفایت پر کچھ ملامت نہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا ملام علیٰ کفاف یعنی قدر کفایت پر تجھے ملامت نہیں کی جاتی اور اس مضمون میں تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو ثعلبہ بن حاطب کو فرمایا تھا کافی ہے جب اس نے

عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مال دے آپ نے فرمایا اے ثعلبہ بن حاطب وہ قلیل جس کا تو شکرادا کرتا رہے اس کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے اٹھایا نہ جاوے ثعلبہ نے مکرر عرض کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ جس قلیل کا شکر ادا کرے وہ اس سے اچھا جو تجھ سے اٹھ سکے وہ برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے اس کی مرضی کے موافق دعا فرمادی پس اس نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کی ہوئی حالت کی مخالفت کرکے اپنی پسند کی ہوئی حالت کو اختیار کیا، اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کا مال بڑھ گیا یہاں تک کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے بچھڑ جاتا پھر مال اور بڑھا یہاں تک کہ بجز جمعہ کے کوئی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ پڑھتا پھر بکریاں مواشی اس قدر بڑھیں کہ جمعہ کی نماز بھی نہ ہوسکی پھر اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ لینے والا آیا کہنے لگا کہ میری رائے میں تو یہ جزیہ ہے یا مشابہ جزیہ کے اور زکوٰۃ نہ دی اور اس کا قصہ مشہور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی شان میں یہ نازل فرمایا ومنهم من عاهد الله الىٰ قوله يكذبون یعنی ان منافقوں میں سے بعضے ایسے ہیں کہ اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا کرے تو ہم خوب خیرات کریں اور بھلائی والوں میں سے ہو جاویں پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے زیادہ دیا بخل کرنے لگے اور منہ موڑا اعراض کرتے ہوئے پس بدلہ دیا اللہ نے ان کو کہ دلوں میں نفاق پیدا کردیا جو اس سے ملنے کے دن تک رہیگا یہ سبب اس کے کہ جھوٹ بولتے تھے چھٹے معنی اجمال فی الطلب کبھی دنیا مانگنے میں ہوتا ہے۔

(ف) یعنی اس طرح کہ اس پر بس نہ کرے بلکہ دعائے آخرت کو بھی ملائے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فمن الناس من يقول ربنآء اتنا فى الدنيا وما له فى الاخرة من خلاق یعنی بعضے تو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملتا اور بعض یوں دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی[1] بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے ساتویں معنی کبھی

---

[1] یعنی عمل نیک۔۱۲(ملفوظ شریف)

اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ اس طرح طلب کرے کہ ملنے میں شک نہ ہو اور حرمت کا پاس رکھے آٹھویں معنی ایک اجمال فی الطلب یہ ہے کہ طلب کرتا رہے اور تقاضا نہ ہو کہ قبول ہو اور غیر اجمال یہ ہے کہ جلدی کا تقاضا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا[1] ہے۔

کہ دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ تقاضا نہ ہو کہے میں نے دعا کی مگر قبول ہی نہیں ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کیلئے بددعا کی جیسا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے، **ربنا اطمس علی اموالھم الیٰ قولہ الیم** یعنی اے ہمارے رب مٹادے ان کے مال اور سختی کردے ان کے دلوں پر بس یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا **قد اجیبت الیٰ قولہ لا یعلمون** یعنی تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی۔

پس دونوں مستقیم رہو اور راہ مت چلو ان لوگوں کی جو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانے میں کہ **قد اجیبت دعوتکما** اور فرعون کے ہلاک ہونے میں چالیس سال کی مدت تھی شیخ ابوالحسنؒ نے **فاستقیما** کی تفسیر میں فرمایا کہ مستقیم رہو جلدی مراد نہ مانگنے پر اور **الذین لا یعلمون** کی تفسیر میں کہا کہ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبولیت دعا میں جلدی مچاتے ہیں نویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کرے پھر اگر مل جاوے شکر کرے اور اگر نہ ملے تو اس کی خوبی اختیار اور عمدہ پسند کو مشاہدہ کرے کیونکہ بہت سے طالب ملنے پر شکر نہیں کرتے اور نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ کی مصلحت داری پر نظر نہیں رکھتے بلکہ جو طلب کرتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میری مصلحت ملنے ہی میں ہے حالانکہ اس نادان کو کہاں پہنچتا ہے کہ علم الٰہی کے مقابلہ میں حکم لگادے اور اللہ کے غیب پر واقف ہو جائے اور بندے کی یہی حالت بس ہے کہ اپنے مولیٰ کے مقابلے میں تجویز لگائے پس جب اس سے سوال کرنا ہو تو ایسی طرح سوال کر کہ اسی کو تفویض کردے اور اس کے آگے نہ تدبیر چلائے نہ تجویز ٹھہرائے خود ارشاد فرمایا **وربک یخلق ما یشاء الخ** یہ حکم تو اس امر میں ہے جس کا

---

[1] حدیث یہ ہے **یستجاب لاحدکم مالم یقل دعوت فلم یستجب**

خیر وشر ہونا معلوم نہ ہو اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ آدمی جس چیز کے لئے دعا کرتا ہے وہ تین قسم سے ہے ایک وہ جو یقیناً خیر ہو اس کو تو بے استثنا اللہ سے مانگنا چاہئے جیسے ایمان اور سب طاعتیں دوسرے وہ جو یقیناً شر ہو اس سے بلا استثنا بچنے کی دعا کرنا چاہئے جیسے کفر اور سب گناہ تیسرے وہ جس کا حال معلوم نہ ہو جیسے غنی ہونا معزز ہونا بلند مرتبہ ہونا اس کو اللہ سے یہ کہہ کر مانگنا چاہئے کہ یا اللہ اگر یہ میرے حق میں بہتر ہو تو عنایت فرما ورنہ خیر ایسا ہی سنا ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے دسویں معنی کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ طلب کے وقت اس کی تقسیم ازلی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی دعا کی طرف نسبت نہیں کرتے کبھی اجمال فی الطلب یوں ہوتا ہے کہ یہ طلب کر رہے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم مستحق نہیں یہ لوگ سزاوار ہیں کہ منت خداوندی کے مستحق ہوں شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اللہ سے کوئی چیز مانگی ہے اپنی برائیاں پیش نظر کر لی ہیں مقصود شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس مراقبے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے وصف کے ساتھ سوال نہ ہو کہ جس میں استحقاق عطا ہو بلکہ اس کا فضل اس کے فضل ہی کے ذریعہ سے مانگا جائے پس یہ دس توجیہیں اجمال فی الطلب کی ہیں اور انحصار مقصود نہیں کیونکہ اس میں اس سے بھی زیادہ وسعت ہے لیکن ہم نے اسی قدر بیان کیا ہے جتنا غیب سے مولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عنایت کیا اور حدیث کلام صاحب انوار محیط کا ہے۔

(ف) مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سو لینے والا اپنی نورانیت کے موافق اس سے لے سکتا ہے اور آپ کے دریائے جواہر سے اسی قدر لے گا جس قدر غوطہ لگائے گا اور ہر شخص اپنے مقام کے موافق سمجھتا ہے ایسی مثال ہے جیسے بہت طرح کے درخت ہوں کہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں پھر بعضوں کو بعضوں پر میوے میں بزرگی دی ہے۔

(ف) یعنی فیاض ایک ہے اختلاف فیوض اختلاف استعداد مستفیضین سے ہے۔

اور جو چیز لوگوں نے نہیں لی وہ لئے ہوئے سے زیادہ ہے اور یہ ارشاد[1] نبوی سن کہ مجھ کو جامع کلمات عنایت ہوئے اور میرے لئے کلام مختصر کیا گیا ہے۔ اگر علماء الٰہی ابدالآباد تک

---

[1] حدیث یہ او تیت جوامع الکلم واختصر لی الکلمہ اختصار ۱۲ (تنویر)

آپ کے کلام مبارک کے ایک کلمے کے اسرار بیان کریں تب بھی علم میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور فہم سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے یہاں تک کسی بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ستر برس تک اس حدیث پر عمل کیا اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا حدیث یہ ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر مفید چیزوں کو ترک کر دے اور بزرگ نے سچ کہا اللہ اس سے خوش رہے اور اگر وہ بزرگ بقائے دنیا تک زندہ رہتے بلکہ ابدالآباد تک تب بھی اس حدیث کے حقوق سے اور جو کچھ اس میں عجائب عالم اور اسرار فہوم رکھے ہیں ان سے فارغ نہ ہوتے۔

رجوع بمطلب

دیکھو یہ ارشاد نبوی اگر تم کو اللہ پر بھروسہ ہوتا جیسا ہونا چاہئے تو تم کو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر جاتے ہیں اس حدیث کو دیکھتے ہو کہ امر بالتوکل پر دلالت کرتی ہے نفی اسباب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اسباب کے اثبات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یوں فرمایا کہ صبح کو آتے ہیں شام کو جاتے ہیں سو ان کے لئے صبح کا آنا اور شام کا جانا ثابت کیا ان کے حق میں یہی سبب ہے البتہ جمع کر کے رکھنے کی نفی فرمائی گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو پورا توکل ہوتا تو تم ذخیرہ نہ کیا کرتے اور تم کو توکل کرنا ذخیرہ رکھنے سے بے نیاز رکھتا اور تم کو اس طرح سے رزق ملتا جیسے پرندوں کو ملتا ہے کہ ایک دن کی روزی مل گئی اگلے دن کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے چونکہ ان کو وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا سوائے ایمان والو تم تو اس کے زیادہ مستحق ہو پس آپ نے یہ بات بتلا دی کہ ذخیرہ کرنے کا باعث ضعف یقین ہے اگر کوئی دریافت کرے کہ ہر ذخیرہ کا یہی حکم ہے یا حالت مختلف ہے تو جاننا چاہئے کہ ذخیرہ رکھنا تین قسم پر ہے ذخیرہ رکھنا ظالمین[1] کا ذخیرہ رکھنا مقتصدین کا ذخیرہ رکھنا۔

قسم اول یعنی ظالمین وہ لوگ ہیں جو ذخیرہ کرتے ہیں بخل سے اور دولت بڑھانے کو امساک کرتے ہیں شیخی بگھارنے کو اور فخر کرنے کو سو ان لوگوں کے قلوب میں غفلت خوب

---

[1] اولئک ھم اضل و اولئک ھم الغافلون ۱۲ (مترجم)

جم گئی اوران کے نفوس پر حرص غالب ہوگئی ان کی حرص دنیا سے فراغت نہ پائے گی ان کی ہمت دنیا کے سوا کسی طرف نہ جائے گی ان کی محتاجی ثابت ہے اگرچہ ظاہر میں غنی ہوں ان کی ذلت ظاہر ہے اگرچہ دیکھنے میں معزز ہوں یہ لوگ دنیا سے سیر نہ ہوں گے اوراس کی طلب سے سست نہ ہوں گے اسباب دنیاان کے ساتھ بازی کرتے ہیں ان کے متفرق رب ہورہے ہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہ لوگ ہیں غافل ان کے دلوں میں عالم کے یادرکھنے کی اور نصیحت سننے کی جگہ نہیں پس بہت ہی کم ان کے اعمال مقبول ہوتے ہیں ان کے احوال صاف ہوتے ہیں کیونکہ اندیشہ فقران کے دلوں میں بس رہا ہے اور[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کی دل میں اندیشہ فقر جاگزیں ہو اس کا عمل بہت ہی کم مقبول ہوتا ہے پس جوایماندار اس سے عافیت میں ہو جس میں وہ پھنسے ہیں اوراس آفت سے سالم ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اوراس کدورت سے پاک ہو جس میں وہ بھر رہے ہیں اس پر واجب ہے کہ اللہ کا شکر کرے اس فضل پر جس کے ساتھ اس کو مخصوص کیا اور اپنے عطا سے اس پر انعام کیا اور جب ایسے لوگوں کے دیکھے تو کہہ **الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاک به وفضلنی علیٰ کثیر ممن خلقه تفضیلا** جیسا جب کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جس پر مصیبت ہوتی ہو تو اللہ کی حمد کرتا ہے جس نے تجھ کو عافیت دی اوراس وقت اپنے مولیٰ کے انعام کا مشاہدہ کرتا اسی طرح تجھ پر واجب ہے اور سزاوار ہے کہ اللہ کا شکر کرے جب تجھ کو اسباب دنیا اوراس میں پھنسنے سے عافیت عنایت فرمادے اور دوسروں کو مبتلا کرے اوران کو حقیر نہ سمجھے بلکہ بجائے حقیر سمجھنے کے ان پر رحم کر اور بجائے بددعا کے ان کے لئے دعا کر اور عارف باللہ حضرت معروف کرخیؒ کے فعل کا اتباع کر سراپا معروف یعنی نیکی تھے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت معروف کرخیؒ اپنے یاروں کے ساتھ دجلہ پر گذرے ان کے یاروں نے دجلہ پر ایک جلسہ دیکھا جو کہ اہل لہو وفسق ونشاط تھے سب نے عرض کیا کہ اے استادان کے لئے بددعاء کیجئے آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے عرض کیا یا اللہ تو نے

---

[1] حدیث یہ ہے من سکن خوف الفقر قلبه قل ما یرفع له عمل ۔۱۲(تنویر)

جیسا کہ ان کو دنیا میں خوش کیا ہے آخرت میں بھی ان کو خوش رکھ یاروں نے عرض کیا کہ اے استاد ہم نے تو بددعا کو کہا تھا آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کو آخرت میں خوش رکھنا منظور ہوگا تو ان کو توبہ کی توفیق دے گا تمہارا اس میں کیا نقصان ہے اسی وقت اس جلسے کے لوگ خشکی میں آئے اور مرد ایک طرف اترے عورتیں ایک طرف دونوں پاک صاف ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے بڑے بڑے عابد و زاہد ہوئے پس جب گنہگاروں پر نظر پڑے تو یہ سمجھ کہ علم ازلی اور مشیت قطعی میں ان پر یوں ہی حکم ہو چکا ہے اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تجھ پر اندیشہ ہے کہ ایسے ہی امتحان میں تو نہ پھنس جاوے اور ان کی طرف تو بھی دوڑ ڈالدیا جوے شیخ ابوالحسنؒ کا ارشاد سن کر فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کی تعظیم کر اگرچہ وہ عاصی فاسق ہوں اور ان کو نیک بات بتلا اور بری بات سے منع کر اور ان سے ملنا اگر چھوڑے تو وہ بھی شفقت سے ہو نہ اپنی بڑائی جتلانے کو۔

(ف) شفقت یہ کہ ہمارے ملنا چھوڑنے سے اس کو تنبیہ ہوگی اور راہ راست پر آ جاویگا۔

اور یہ بھی شیخؒ کا قول ہے کہ اگر مومن عاصی کا نور ظاہر ہو جاوے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فضا کو بھر دیوے تو مومن مطیع کی کیا کیفیت سمجھتے ہو اور اہل ایمان اگرچہ اللہ سے غافل ہوں۔

ان کی تعظیم کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول بس ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا الیٰ قولہ باذن اللہ یعنی پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے برگزیدہ کیا اپنے بندوں سے بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض بیچ کی چال چلتے ہیں اور بعض نیکیوں میں بڑھے ہوئے اللہ کے حکم سے سوخیال کرکے کہ باوجود ظالم ہونے کے ان کے لئے اصطفا کس طرح ثابت فرمایا اور ظلم کو اس کا سبب قرار نہیں دیا کہ ان کو برگزیدہ سے یادداشت کتاب سے نکال دے اور ان کو ایمان سے پسند کیا اگرچہ گناہ سے ظالم ہوں پس پاک ہے وسیع رحمت والا بڑی منت والا اور جاننا چاہئے کہ اس کے ملک میں ضرور ایسے بندے بھی ہونے چاہئیں جو مستحق علم اور مظہر رحمت و مغفرت و وقوع شفاعت ہوں اور اس حدیث کو سمجھ کر فرمایا[1]

---

[1] حدیث یہ ہے۔ والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم وجاء بقوم تذنبون فیستغفرون اللہ فیغفر لھم ۱۲ (تنویر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو ناپید کر کے دوسری قوم کو ظاہر کرتا جو گناہ کرتے پھر استغفار کرتے پھر اللہ ان کو بخشتا اور فرمایا[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شفاعت اہل کبائر کیلئے ہے میری امت میں سے۔

(ف) ان حدیثوں میں وسعت رحمت اور حکمت وقوع معاصی کا بیان کرنا مقصود ہے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ گناہ سے اللہ و رسول خوش ہوتے ہیں حاشا وکلا اور ایک شخص شیخ ابوالحسنؒ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے حضرت گذشتہ شب ہمارے پڑوس میں ایسی ایسی بڑی باتیں ہوئیں اور اس شخص سے آثار استبعاد کے ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا اے شخص شاید تو یوں چاہتا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کی معصیت نہ ہو جو شخص یوں چاہتا ہے کہ جو معصیت نہ ہو وہ یوں چاہتا ہے کہ اسکی مغفرت ظاہر نہ ہو اور حضرت کی شفاعت نہ ہو ختم ہوا کلام شیخ کا اور بہت سے ایسے گنہگار ہیں کہ انکی کثرت گناہ اور لغزش موجب رحمت پروردگار ہو جاتی ہے پس تو اس پر رحم کر اور اس کے ایمان کی عزت سمجھ اگرچہ گناہ کرتا ہے قسم دوم ذخیرہ جمع کرنا مقتصدین یعنی بیچ کی چال چلنے والوں کا ہے اور وہ لوگ ہیں کہ دولت بڑھاتے اور شیخی بگھارنے اور بڑائی جتلانے کے لئے ذخیرہ نہیں کیا بلکہ محتاجی میں اپنے اضطراب کا حال معلوم کیا پس سمجھے کہ اگر ذخیرہ نہیں کرتے تو ان کا ایمان ڈھل مل ہوتا ہے اور یقین ڈگمگ ہوتا ہے پس انہوں نے اس لئے ذخیرہ کر لیا کہ متوکلین کے حال کی ان میں ہمت نہیں اور جانتے ہیں کہ ہم مقام یقین سے عاجز ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[2] ہے کہ مومن قوی اللہ کے نزدیک مومن ضعیف سے اچھا ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں پس مومن قوی وہ ہے کہ اس کا نور یقین روشن ہو پس اس نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا رزق ضرور میرے پاس پہنچادیگا خواہ ذخیرہ کرے یا نہ کرے اور اگر میں ذخیرہ نہ کرونگا تو اللہ میرے لئے ذخیرہ کر لے گا اور ذخیرہ والے اپنے ذخیروں کے حوالے کئے جاتے ہیں اور توکل والے اللہ کے حوالے ہیں اور کسی شئے پر حوالے نہیں کئے گئے سو مومن قوی وہ شخص ہے جو اسباب کا سہارا نہ کرتا ہو خواہ اسباب میں ہو یا نہ ہو اور جو مومن

---

[1] حدیث یہ ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی ۱۲ (تنویر)

[2] حدیث یہ ہے المؤمن القوی خیر عند اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر ۱۲ (تنویر)

ضعیف ہے وہ اگر اسباب میں داخل ہے تو ان کا کچھ سہارا سمجھتا ہے اور اگر اسباب سے خارج ہے تو ان کی طرف نگراں ہے تیسرے قسم ذخیرہ رکھنے نہ رکھنے کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جو سابقین ہیں یعنی مراتب میں بڑھے ہوئے وہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ کی طرف بڑھ گئے کیونکہ ان کے دل اس کے ماسوا سے خالص ہو گئے پس ان کو موانع اللہ سے نہ روک سکے اور علائق سے غافل نہ کر سکے پس اللہ کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ ان کو کوئی امر مانع نہ تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے صرف غیر اللہ کے تعلق کی کوشش نے روک رکھا ہے جب ان کے قلوب اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں وہ تعلق اسی چیز کی طرف کھینچتا ہے جس کی طرف تعلق ہے پس وہ واپس لوٹ آتے ہیں اسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں سو درگاہ بے نیاز ایسے شخص کو نصیب نہیں ہوتی جس کی یہ حالت ہو بعض عارفین کا قول ہے کہ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تجھ کو پیچھے سے کوئی کھینچ رہی ہو اور تو خدا کی درگاہ میں پہنچ جاوے اس مقام پر حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد سمجھو یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم یعنی نفع نہ دے گا مال اور اولاد اس دن مگر جو لایا اللہ کے پاس قلب سلیم اور قلب سلیم وہ ہے جس کو سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے تعلق نہ ہو اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنا کم اول مرۃ یعنی تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاس آنا اور وہاں تک رسائی ہونا بدوں اس کے ممکن نہیں کہ کل ماسوا سے جدا ہو جائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے الم یجدک یتیماً فاوی یعنی کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس جب ہی ٹھکانا دیتا ہے جب ماسوا سے یتیم ہو جاؤ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ طاق ہے دوست رکھتا ہے طاق کو یعنی اس قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوق کی آمیزش کے ساتھ جفت نہ ہو پس یہ قلوب اللہ کے ہیں اور اللہ کے ساتھ ہیں انہوں نے اللہ کو تصرف کرنے دیا پس اس نے ان کو نفوس کے طرف نہیں حوالے کیا اور ان کو ان کی تدبیر پر نہیں چھوڑا سو یہ لوگ دربار والے ہیں جن کے ساتھ احسان سے معاملہ کیا جاتا ہے مخلوقات ان کو اللہ سے جدا نہیں کرتی اور حسن عاریتی ان کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا اور اس مضمون میں ہمارے اشعار ہیں۔

کیا حقیقت ہے تیری اے مست ناز ہو اگرچہ حسن میں تو بے نظیر
لیک تجھ میں ایک ہے گنج نہاں اس نے مجھ کو کر لیا اپنا اسیر

بعضوں کا قول ہے کہ اگر مجھ کو غیر کی طرف نظر کرنے کا حکم ہو تو مجھ سے نہ ہو سکے کیونکہ غیر تو ہے ہی نہیں کہ جس کو دیکھ سکوں اور یہ ان لوگوں کا حال ہے کہ حفاظت الٰہی جن کی ذمہ دار اور عنایت الٰہی ان کی نگہبان ہے بھلا ان کو لوگوں سے کب ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ رکھیں وہ تو حاضر باش درگاہ ہیں اور اگر ذخیرہ کرتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی اور کا سہارا تکیں وہ اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں شیخ ابوالحسنؒ شاذلی نے فرمایا ہے کہ ایک بار مجھ پر شہود غالب ہو میں نے دعا کی کہ اس کو مجھ سے چھپا لیا جاوے حکم ہوا کہ جو دعائیں موسیٰ کلیم اللہ عیسیٰ روح اللہ اور محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں اگر سب جمع ہو کر کے بھی دعا کرو گے تو قبول نہ ہوگی مگر یہ دعا کرو کہ تم کو اس کے برداشت کی قوت ہو جاوے میں نے دعا کہ اللہ نے مجھ کو قوت بخشی سو جس شخص کا یہ حال ہو وہ ذخیرہ رکھنے کا کیوں محتاج ہونے لگا یا اس سے کیسے ہو سکتا ہے کہ غیروں کا سہارا ڈھونڈے اور ایماندار کو یہی بہت ہے کہ اپنے ایمان و توکل کا ذخیرہ جمع کر لے اور جن کو اللہ کی طرف سے سمجھ ہے وہ اس پر توکل کرتے ہیں پس اللہ ان کے لئے ذخیرہ کرتا ہے اور انہوں نے اس کا پاس کیا وہ ان کا نگہبان ہو گیا اور وہ لوگ اللہ کے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہو گئے پھر دیکھو اللہ کس طرح ان کا مددگار بن گیا ان کے مہمات میں کفایت فرمائی اور ان کے غم کو ان سے دور کیا وہ لوگ رزق کا اہتمام چھوڑ کر اس کے حکام میں یقین کرنے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود ان کے حوالے نہ کریگا اور اپنے فضل سے ان کو محروم نہ رکھے گا سو یہ لوگ راحت میں داخل ہو گئے اور جنت تسلیم ولذت وتفویض میں واصل ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ بلند کیا اور ان کے انوار کو کامل فرمایا اور وہ لوگ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان سے حساب بھی اٹھالیں جیسا کہ ارشاد[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ستر ہزار آدمی میری امت میں سے بے حساب جنت میں داخل ہوں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جو لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بدشگون نہیں

---

[1] حدیث یہ ہے سبعون الفامن امتی یدخلون الجنۃ بغیر حساب قیل منہم یا رسول اللہ قال ہم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربہم یتوکلون۔ ۱۲ (تنویر)

لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور ایسے شخص کا کیا حساب ہو جس کے پاس کچھ نہ ہو اور ایسے شخص کے فعل سے کیا سوال ہو جو مشاہدہ کرتا ہو کہ میرا کچھ فعل ہی نہیں حساب تو مدعیوں سے ہوگا اور مناقشہ غافلوں سے ہوگا جو سمجھ رہے ہیں کہ ہم مالک ہیں یا اللہ کے آگے کچھ کر سکتے ہیں اور جس شخص نے اللہ پر وثوق و توکل کر کے ذخیرہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کا رزق خوشگوار بھیجتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا کرتا ہے۔

کوئی عارف مفلس ہوگیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو کچھ گھر میں ہے سب نکال کر خیرات کردے اس نے ایسا ہی کیا مگر ایک چکی رہنے دی اور اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس کی ضرورت ہو اور پھر ایسی نہ ملے فوراً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ گیہوں شیخ کے واسطے آئے ہیں تمام صحن گیہوں سے بھر گیا جب عارف واپس آئے اور دیکھا کہنے لگے کہ تو نے سب چیزیں گھر میں سے نکال دی تھیں وہ بولی کہ ہاں عارف نے کہا ہرگز یہ بات نہیں بیوی نے کہا کہ ہاں ایک چکی رہنے دی تھی اس خیال سے کہ شاید اس کی ضرورت ہو انہوں نے کہا کہ اگر چکی بھی نکال دیتی تو آٹا آتا مگر تو نے چکی رہنے دی ایسی چیز آئی کہ جس سے تو تھکے اگر یہ سابقین ذخیرہ کرتے ہیں تو اپنے لئے نہیں بلکہ امانت کے طور پر رکھتے ہیں کیوں یہ لوگ تحویل دار، امانت دار اور غلامان خاص ہیں اگر دنیا کو رکھتے ہیں تو حق سے رکھتے ہیں اگر دیتے ہیں حق سے دیتے ہیں اور جو حق سے دنیا رکھے وہ رتبے میں اس سے کم نہیں جو حق سے خرچ کرے اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ اللہ کے آگے مالک ہیں بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور نہ اس میں تصرف کرتے ہیں یہ حکم سن چکے ہیں **وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ** یعنی خرچ کرو اس چیز سے جس میں تم کو نائب بنایا پس انہوں نے یقین کرلیا کہ اللہ کے آگے ان کی ملک نہیں بلکہ صرف ایک نسبت ہے جو تیری طرف اضافت کی گئی اور ایک ضیافت احسانی ہے جس سے تجھ پر منت رکھی تا کہ تیرا امتحان کرے حالانکہ وہ علیم وخبیر ہے کہ تو کیا عقیدہ رکھتا ہے آیا اس کے ظاہر پر رہ جاتا یا اس کے باطن کی طرف پہنچتا ہے اسی واسطے انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے روبرو ان کی کسی شے میں ملک[1] نہیں

---

[1] زان سلیمان خویش را مسکین بخواند ۱۲ (ملفوظ شریف)

ہوتی کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ تو اس چیز کی واجب ہوتی ہے جو تیری ملک میں ہو وہ حضرات تو اپنے اموال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں خرچ کے وقت خرچ کرتے ہیں اور بے موقع نہیں دیتے دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس واسطے ہے کہ دینے والے سے جو گناہ وغیرہ ہو گیا ہے اس سے پاکی وصفائی ہو جائے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها** یعنی ان کے مالوں سے صدقہ لو کہ ان سے ان کو پاک وصاف کردو اور انبیاء علیہم السلام آلودگی سے پاک ہیں بوجہ معصوم ہونے کے اور اسی واسطے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نابالغوں پر زکوٰۃ واجب نہیں بتلائی کیونکہ آلودگی گناہ نہیں ہے گناہ تو بعد مکلّف ہونے کے ہوتا ہے اور مکلّف ہونا بعد بلوغ کے ہے اس مقام میں اس ارشاد نبوی کو سمجھو **نحن معاشر الانبياء لا نورث ماتركناه صدقة** یعنی ہم لوگ جو انبیاء ہیں ہمارا کوئی ورثہ نہیں بنتا جو ہم چھوڑ جاویں وہ صدقہ ہے جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو ہم نے تقریر کی ہے وہ اس سے واضح ہوتی ہے اور اہل معرفت جو اس کی احدیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

جب ان کا یہ حال ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی ملک نہیں سمجھتے تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نسبت کیا سمجھنا چاہئے کہ اہل توحید و معرفت انہیں کے دریاؤں سے چلو لیتے ہیں اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔

حکایت ہے کہ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے تھے یکایک شیبان راعی آ پہنچے امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے کہا کہ ان کی بڑی شہرت ہے کچھ ان سے پوچھوں امام شافعیؒ نے فرمایا ایسا مت کرو امام احمدؒ نے کہا ضرور پوچھنا چاہئے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیبان تم ایسے شخص کے حق میں کیا حکم دیتے ہو جو چار رکعت میں چار سجدے بھول گیا۔

فرمانے لگے اے احمد یہ دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اس کو سزا دینا چاہئے تا کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کرے پس امام احمدؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا کہنے لگے کہ اس شخص کے حق میں کیا حکم لگاتے ہو جس کے پاس چالیس بکریاں ہوں ان کی زکوٰۃ کس قدر ہے

فرمانے لگے کہ ہمارے مذہب پر یا تمہارے مذہب پر امام احمد نے کہا کیا اس میں دو مذہب ہیں فرمانے لگے ہاں دو مذہب ہیں خیر تمہارے مذہب پر تو چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب پر یہ ہے کہ غلام آقا کے ہوتے کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا[1] اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال کے گذارے کے لائق ذخیرہ رکھا ہے سو یا تو وہ وہی بات ہے جو ہم نے پہلے کہی ہے کہ انبیاء کا ذخیرہ رکھنا بطور امانت کے ہوتا ہے کہ وہ وقت ایسا تجویز کیا کرتے ہیں جس میں خرچ کر دینا مناسب ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال کے واسطے ذخیرہ رکھا تھا یا یہ وجہ ہے کہ امت کے لئے ذخیرہ رکھنے کا جواز بیان فرمائیں[2] کیونکہ جب ذخیرہ پر بھروسہ نہ ہو تو منافی توکل نہیں اور دلیل اس کی کہ مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان جواز امت کے لئے تھا یہ ہے کہ آپ کی غالب حالت یہی ہے کہ ذخیرہ نہیں رکھا تو صرف اس واسطے ذخیرہ رکھا تھا کہ امت کے وسعت اور رحمت اور ضعفائے امت پر شفقت ہو کیونکہ اگر آپ ذخیرہ نہ فرماتے تو کسی مومن کو آپ کے بعد ذخیرہ کرنا جائز نہ ہوتا سو آپ نے یہ اس لئے کیا کہ اس کا حکم بیان فرما دیں اور ارشاد[3] فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس لئے بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ قاعدہ مقرر کروں سو آپ نے ظاہر فرما دیا کہ بھولنا میری شان اور صفت نہیں ہے صرف اس واسطے نسیان میں واقع ہوتے ہیں کہ امت کے لئے اس کا حکم اور جو اس کے متعلق ہو ظاہر فرما دیں خوب سمجھ لو حدیث کو فائدہ یہ جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طالب کے علم کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے سو جاننا چاہئے کہ لفظ علم جہاں کہیں قرآن و حدیث میں آیا ہے اس سے مراد علم نافع ہے جس کے ساتھ خوف و خشیت مقرون ہو فرمایا اللہ تعالیٰ نے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں پس اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ علم کو خوف لازم ہے اور اس سے مفہوم ہوا کہ علماء وہی ہیں جو ڈرتے ہیں اسی طرح یہ آیتیں **قال الذین اوتوا العلم والراسخون فی العلم وقل**

---

[1] بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسم ہیں عوام کے لئے چہارم خواص کے حق میں نصف ۱۲

[2] کیونکہ آپ رحمۃ للعلمین ہیں ۔۱۲ (ملفوظ شریف)

[3] حدیث یہ ہے انی لانسی او انسی لا سن ۔۱۲ (تنویر)

رب زدنی علما اور یہ حدیثیں **ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم العلمآء ورثۃ الانبیآء** اور اس مقام پر جو حدیث ہے **طالب العلم تکفل اللہ برزقہ** ان سب آیات واحادیث میں علم نافع مراد ہے کیونکہ اللہ ورسول کا کلام ہے اس سے برتر ہے کہ اور کسی معنی پر محمول کیا جائے ہم نے اس کو اور کتاب میں بیان کیا ہے اور علم نافع وہ ہے جو طاعت الٰہی پر معین ہو اور خشیت الٰہی اور حفظ حدود کو تجھ پر لازم کرے اور یہ علم معرفت ہے اور علم نافع علم ذات وصفات اور علم احکام کو بھی شامل ہے جب اللہ کے لئے سیکھے پس یہ جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طالب علم کی روزی کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ کیا ہے کہ اس کو رزق پہنچائے گا خوشگواری سے اور عزت سے اور سالم رکھے گا حجاب سے اور ہم نے یہ تاویل کیوں کی اور کفالت کو ایک خاص طرح کی کفالت کیوں کیا وجہ یہ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تو سبھی کی روزی کا ذمہ دار ہے خواہ علم طلب کریں یا نہ کریں اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفالت کوئی خاص کفالت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس کو جداگانہ بیان کیا اور اسی وجہ سے شیخ ابوالعباسؒ نے اپنی حزب میں جہاں بہت سی چیزوں کی دعا کی ہے کہ ہم کو فلاں چیز عطا فرما وہاں یہ بھی کہا **والرزق الھنی الذی لا حجاب بہ فی الدنیا ولا سوال ولاعقاب علیہ فی الآخرۃ علی بساط علم لتوحید والشرع سالمین من الھویٰ والشھوۃ والطبع** یعنی ہم کو رزق خوشگوار عطا فرما جس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں اس پر سوال وحساب وعذاب نہ ہو اس حال میں کہ ہم مقام حقیقت وشریعت پر قائم رہیں اور حرص وشہوت وتقاضائے طبع سے سالم رہیں سوانہوں نے اللہ سے رزق خوشگوار مانگا اور وہ رزق وہ ہے جس کی کفالت طالب علم کے لئے ہوئی ہے پھر اس کی تفسیر یوں کی کہ اس سے دنیا میں حجاب نہ ہو اور آخرت میں حساب نہ ہو کیونکہ جس سے دنیا میں حجاب ہو جاوے اس میں خوشگواری نہیں کیونکہ حجاب موجب دل شکنی ہے کہ حضوری سے محرومی ہو اور مواجہت سے دوری نہ کہ جیسا عوام سمجھتے ہیں کہ خوشگوار رزق وہ ہے جو بے محنت وبے مشقت مل جائے، خوشگواری غافلین کے نزدیک باعتبار بدن کے ہے اور اہل فہم کے نزدیک باعتبار قلوب کے اور حجاب جو رزق سے ہو جاتا ہے اس کی دو

وجہ ہیں یا تو اسباب میں پڑ کر اللہ سے غفلت ہو جاتی ہے یا اس کے برتنے میں یہ قصد نہیں ہوتا کہ طاعت خداوندی پر قوت حاصل کریں سو اول تو حصول میں حجاب ہے اور دوسرا استعمال میں اور یہ جو شیخ نے فرمایا کہ اس پر سوال وحساب وعذاب آخرت میں نہ ہو سو سوال تو نعمتوں کے حقوق سے ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی پھر تم پوچھے جاؤ گے اس روز نعمت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعض صحابہؓ نے کچھ کھانا نوش جان فرمایا پھر ارشاد ہوا واللہ تم آج کی نعمت سے سوال کئے جاؤ گے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سوال دو قسم ہے ایک سوال تشریف یعنی واسطے اظہار شرف کے اور دوسرا سوال تعنیف یعنی واسطے لعنت ملامت کرنے کے سو اہل طاعت و مستحقان عنایت تو سوال تشریف ہو گا اور غفلت واعراض سے سوال تعنیف اور اسباب کو سمجھ اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اگرچہ صادقین کے اخبار اور پوشیدہ اسرار پر مطلع ہے مگر پھر بھی ان سے سوال فرما دے گا تاکہ ان کا مرتبہ صدق اور لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے اور ان کی خوبیاں قیامت میں کھول دے جیسے آقا اپنے غلام سے پوچھے تو نے فلاں فلاں مقدمے میں کیا کیا اور خود واقف ہے کہ اس کو خوب عمدہ پختہ کیا ہے مگر منظور یہ ہے کہ حاضرین بھی جان لیں کہ غلام اس مولیٰ کے حکم کو کیسے اہتمام سے بجا لایا اور مولیٰ کو اس کے حال پر کیسی عنایت ہے اور یہ جو شیخ کا قول ہے کہ حساب نہ ہو سو حساب نتیجہ سوال کا ہے جب سوال سے سالم رہیں گے حساب سے بھی سالم رہیں گے اور جب ان دونوں سے سالم رہے تو عقوبت سے سالم رہے سو اگرچہ یہ مضامین باہم لازم وملزوم تھے مگر پھر بھی شیخ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ رزق خوشگوار میں کتنی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی ہوتی تب بھی قابل طلب کرنے کے تھی اور یہ جو شیخ نے کہا کہ ہم توحید وحقیقت پر قائم ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ تیری رزق دی ہوئی چیز میں تجھ کو مشاہدہ کروں اور تیری کھلائی ہوئی چیز تجھ کو دیکھوں اور کسی کا مجھ کو مشاہدہ نہ ہو دوسرے کی طرف اس کو نسبت نہ کروں اور اہل اللہ کی یہی حالت ہے کہ اللہ ہی کے خوان پر کھاتے ہیں خواہ ظاہر میں ان کو کوئی کھلا دے کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اللہ کے آگے کوئی مالک نہیں اس یقین کے باعث ان کے قلوب

سے مخلوقات کا مشاہدہ جاتا رہتا ہے پس غیر اللہ کے لئے محبت کو صرف نہیں کرتے اور کسی کی طرف اپنی مودت کو متوجہ نہیں کرتے کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہی ان کو کھلاتا ہے اور اپنے فضل سے دیتا اور خاطر کرتا ہے شیخ ابوالحسنؒ نے ایک روز فرمایا کہ ہم کو سوائے اللہ کے کسی سے محبت نہیں یعنی ہماری محبت مخلوق کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ایک شخص بولا کہ حضرت آپ کے دادا نے اس کا انکار کیا ہے بدلیل اس حدیث کے جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا یعنی قلوب میں یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ محسن سے محبت کریں فرمانے لگے بے شک مگر ہم لوگ تو وہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کو محسن نہیں سمجھتے اسی لئے ہمارے قلوب میں اسی کی محبت پیدا ہوئی اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے سو جس قدر نعمتیں نئی نئی ملتی جاویں گی اسی قدر اللہ کی محبت زائد اور روز بروز تازہ ہوتی جاوے گی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی محبت کرو چونکہ تم کو اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور اس کا بیان پہلے گذر چکا اور جو شخص یہ سمجھے گا کہ اللہ ہی کھانے کو دیتا ہے یہ مراقبہ اس کو مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور غیر خدا کی طرف محبت کے ساتھ قلب کے مائل ہونے سے محفوظ رکھے گا کیا تم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قول نہیں سنا والذی ھو یطعمنی ویسقین یعنی ایسا اللہ کہ وہی کھلاتا ہے مجھ کو اور پلاتا ہے مجھ کو سو انہوں نے اسی امر سے اللہ تعالیٰ کے منفرد ہونے کی گواہی دی اور اس کے واحد ہونے کا اقرار کیا اور یہ جو شیخ نے کہا کہ توحید کے ساتھ شریعت پر بھی قائم رہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص اطلاق توحید میں چل نکلتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مالک اللہ ہی ہے اور کسی کی ملک ہی نہیں اور ظاہر شریعت کا پابند نہیں رہتا ایسا شخص اپنے کو دریائے زندیقی میں ڈال دیتا ہے اور اس کا حال اس پر وبال ہو جاتا ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ حقیقت کے ساتھ موید ہو شریعت کا مقید ہو اور محقق ایسا ہی ہوتا ہے نہ تو حقیقت کے ساتھ چھٹا چلا جائے نہ صرف ظاہری نسبت شریعت کے ساتھ ٹھہر جائے اس کے درمیان میں رہے سو ظاہر نسبت جو ملک کی مخلوقات کی طرف ہے اس پر ٹھہر جانا شرک ہے۔

(ف) یعنی اصطلاح حقیقت میں۔

اور حقیقت کے ساتھ چل نکلنا کہ شرع کی پابندی نہ رہے معطل ہو جاتا ہے اور اہل

ہدایت کا مقام دونوں کے درمیان ہے جیسا گوبر[1] اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکلتا ہے کہ پینے والوں کے گلے میں اترا چلا جاتا ہے۔

فصل اور جاننا چاہئے کہ مقدمہ رزق میں بہت سے امور وارد ہوتے ہیں اور بہت سے عوارض پیش آتے ہیں اور شیخ رحمۃ اللہ نے ان میں سے بہت سے اس اپنے قول میں بیان کئے ہیں امر هذا الرزق واعصمني من الحرص والتعب في طلبه وفي شغل القلب وتعلق الهم به ومن الذل للخلق بسببه ومن التفكر والتدبير في تحصيله ومن الشح والبخل بعد حصوله یعنی اے اللہ مسخر کردے میرے لئے قصہ اس رزق کا اور بچا مجھ کو حرص سے اور اس کی طلب میں مشقت سے اور اس کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے سے اور اس کے ساتھ فکر کے متعلق ہو جانے سے اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنے سے اور بعد حاصل ہونے کے حرص و بخل سے عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کچھ منحصر نہیں کہ پورے بیان کئے جاویں سو ہم بھی صرف شیخ کے مضامین پر گفتگو شروع کرتے ہیں سو جاننا چاہئے کہ رزق کی نسبت بندے کی تین حالت ہیں، ایک تو ملنے سے پہلے یہ تو حالت سعی کی ہے دوسری حالت اس کے بعد وہ حصول کی حالت ہے، تیسری حالت اس کے گذرنے کے بعد یعنی وہ رزق جب ختم ہو چکے سو جو حالت قابل حصول پیش آتی ہے وہ حرص ہے اور طلب میں مشقت اٹھانا اور اس کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا اور اس کے ساتھ فکر کا متعلق ہونا اور اس کے سبب مخلوق کے روبرو ذلت اٹھانا اور اس کی تحصیل میں فکر و تدبیر کرنا سو حرص کی حقیقت تو یہ ہے کہ تحصیل رزق سے نفس کے ساتھ رغبت قائم ہو اور اس پر بالکل اوندھا ہو جاوے اس کا منشا ہے وثوق نہ ہونا اور یقین کا ضعیف ہونا اور ان دونوں کا منشا ہے نور نہ ہونا اور اس کا منشا وجود حجاب ہے کیونکہ اگر قلب انوار مشاہدہ سے معمور نہ ہوتا اور منت الٰہی اس کو گھیرے ہوتی تو اس پر واردات حرص نہ ہوتی اور اگر نور یقین قلب پر پھیلا ہوتا اس کو قسمت سابقہ مکشوف ہو جاتی تو حرص ممکن نہ ہوتی اور یہ شخص یقین کر لیتا کہ اللہ کے پاس میری قسمت کا رزق ہے

---

[1] یہ اشارہ ہے مضمون آیہ کی طرف من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين۔ ۱۲ (مترجم)

ضرور میرے پاس پہنچائے گا، اور تعب کرنا طلب رزق میں دو قسم ہے یا تو تعب جسمانی ہے یا تعب روحانی اگر تعب جسمانی ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ جب طالب رزق پر تعب جسمانی غالب ہوتا ہے اس کو بجا آوری احکام سے باز رکھتا ہے اور راحت کے ساتھ جو رزق ملتا ہے اس میں فرصت طاعت اور بجا آوری خدمت سہل ہے اور اگر تعب روحانی ہے تو اس سے اور بھی زیادہ پناہ مانگنا چاہئے وجہ اس کی یہ ہے تعب روحانی اس سے ہوتا ہے۔ کہ طلب رزق میں کلفت اٹھائے اس میں فکر کرے اور اس کا بوجھ اس کو اگرانبار کردے اور راحت بدوں توکل میسر نہیں ہوتی کیونکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بوجھ اتار دیتا ہے اور اس کے عوض خود اٹھالیتا ہے جیسا فرمایا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پھر شیخ نے دعاء میں کہا کہ قلب کے مشغول ہونے اور اس میں فکر کے متعلق ہونے سے بچا سو قلب کا قصہ رزق کے ساتھ مشغول ہونا حجاب عظیم ہے یہاں تک کہ شیخ ابوالحسنؒ کا قول ہے کہ اکثر جس نے مخلوق کو محجوب کر رکھا ہے وہ دو چیزیں ہیں فکر رزق اور خوف خلق اور دونوں میں فکر رزق بڑا حجاب ہے کیونکہ بہت سے لوگ خوف خلق سے فارغ ہیں مگر رزق سے بہت ہی کم خالی ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ احتیاج تیرے وجود کے ساتھ قائم ہے اور تو ایسی چیز کا محتاج ہے کہ تیری ترکیب کو قائم رکھے اور تیری قوت کو مضبوط کرے اور یہ جو شیخ نے کہا کہ فکر متعلق ہونے سے بچا اس سے مراد یہ ہے کہ رزق کے ساتھ ہمت اس قدر متوجہ ہو کہ اس میں استغراق کی نوبت آجاوے یہاں تک کہ اور کسی شئے کی گنجائش نہ رہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دوری کی موجب ہے اور نور وصال کو تاریک کردیتی ہے اور بآواز بلند کہتی ہے کہ اس حالت والے کا قلب نور یقین سے اجڑ گیا اور قوت وتمکین سے مفلس ہو گیا اور یہ جو کہا کہ رزق کے باعث مخلوق کے روبرو ذلیل ہونے سے بچا سو جاننا چاہئے کہ جس شخص کا یقین ضعیف ہو اور دولت عقل سے کم نصیب ہو اس کے لئے ذلت ضروری ہے کیونکہ اس کو مخلوق سے طمع ہوگی خالق پر وثوق نہ ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے قسمت ازلی کو نہ دیکھا اور اس کے صادق الوعید ہونے کا یقین اس کو نصیب نہ ہوا اس لئے مخلوق کے آگے تملق کر کے ذلیل ہوا اور ان کی لو لگا کر ان کو لپٹا اور یہ سزا اس کی ہے کہ اللہ سے غافل ہوا اور آخرت

میں جو سزا ہوگی وہ اور بھی سخت ہے اگر اس شخص کا ایمان اور توکل صحیح ہوتا تو یہ اس سے معزز ہوتا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور رسول اللہ کی اور مومنین کی سو مومن اپنے رب سے عزت حاصل کرتا ہے اور کسی سے عزت نہیں لیتا کیونکہ یقین رکھتا ہے کہ عزت سب اللہ ہی کی ہے اور وہی عزت والا ہے اس کے سامنے کوئی عزت والا نہیں اور وہی عزت دینے والا ہے کوئی دوسرا عزت دینے والا نہیں سو اس شخص کو اعتماد نے عزت دی اور توکل نے حمایت کی پس اس کو خواری نہیں کیونکہ اس کو اپنے پر اپنی قسمت میں سچا بھروسہ ہے اور اس کو غم نہیں کیوں کہ اللہ کی منت پر اس کو پورا اعتماد ہے اور وہ اس ارشاد خداوندی کو سن رہا ہے ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین یعنی نہ ذلیل ہو تم نہ مغموم ہو تم ہی اونچے رہو گے اگر ایماندار ہو، سو مومن کی عزت اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ کرے اور بادشاہ حقیقی پر وثوق کرے اس کا ایمان نہیں مانتا کہ وہ اپنی حاجت غیر رب کی طرف لے جائے یا اپنے قلب کو ماسوا کی طرف متوجہ کرے اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے۔

ہو جو مومن اس کو ہے قطعاً حرام	رکھے اوروں سے جو امید عطا
ٹھہر جا اے یار اور کر ذکر حق!	ہو فنا اس میں اسی میں ہو بقا
ملک گیری بادشاہوں کو نصیب	یہ وہ شاہی ہے نہیں جس کو فنا

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے طمع کی غلامی سے آزاد کیا ہو اور تقویٰ کی عزت دی ہو اس پر بڑا احسان فرمایا اور اس پر کامل انعام کیا اور یوں جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو متعدد خلعت عنایت کئے خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت طاعت خلعت سنت مخلوق سے طمع کر کے اور غیروں کا آسرا لگا کر ان کو میلا مت کر شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد فرمایا اے علی اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف رکھ ہر دم تجھ کو اللہ کی مدد پہنچے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے کپڑے کونسے ہیں فرمایا جان کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو خلعت ایمان خلعت معرفت خلعت توحید خلعت محبت عنایت فرمایا ہے شیخ کہتے ہیں اس وقت میری سمجھ میں اس آیت کے معنی آئے وثیابک فطھر پس جو شخص اللہ کو پہچانے گا اس کی نظر میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوں گی اور جو اللہ سے محبت رکھے گا

اس کے روبرو سب چیزیں بے قدر ہو جائیں گی اور جو اللہ کو واحد سمجھے گا وہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے گا اور جو اللہ پر ایمان لاوے گا وہ ہر بلا سے مامون رہے گا اور جو اللہ کا مطیع ہو گا اس کی نافرمانی نہ کرے گا اور اگر نافرمانی ہو گی تو عذر کرے گا اور عذر کرے گا تو مقبول ہو گا اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ سالک آخرت کو مخلوق سے امید اٹھانا اور ان سے کچھ واسطہ نہ رکھنا ایسی زینت ہے کہ دلہن کے لئے زیور بھی نہیں اور ان لوگوں کو اس امر کی اس سے بھی زائد حاجت ہے جیسے جان کو پانی کی اور جس شخص کو شاہی خلعت پہنایا جاوے اور وہ اس کو محفوظ رکھے تو زیبا ہے کہ ہمیشہ اس کے پاس رہے اور اس سے نہ چھینا جائے اور جو خلعت عنایت کو میلا کر دے تو مناسب ہے کہ اس کے پاس نہ رہنے دیں سوائے بھائی اپنے ایمان کو طمع مخلوق سے میلا مت کر اور سوائے رب العالمین کے کسی پر اعتماد مت کر اگر تو اللہ سے عزت حاصل کرے گا تو اس کے دوام سے تیری عزت بھی دائم رہے گی اور اگر غیر سے عزت حاصل کی تو چونکہ اسے دوام نہیں عزت بھی دائم نہ ہووے گی ایک فاضل نے مجھ کو اپنا شعر سنایا۔

مانگ عزت رب سے جس کو ہو قرار — مردے کی عزت ہے سب ناپائیدار

اور کوئی شخص کسی عارف کے پاس روتا ہوا گیا اور انہوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا میرا استاد مر گیا عارف نے کہا کہ تو نے ایسے کو کیوں استاد بنایا جو مر گیا[1] اور تجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تو غیر اللہ سے عزت ڈھونڈے گا نہ پائے گا اور جب غیر کا سہارا چاہے گا نہ ملے گا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا تھا کہ اپنے معبود[2] کو دیکھ جس پر لگا بیٹھا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس کی راکھ دریا میں اڑا دیں گے تمہارا معبود تو وہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں گھیر لیا اس نے ہر چیز کو علم سے اے شخص ابراہیمی بن جا تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام لا احب الافلین فرما رہے ہیں یعنی میں فانیوں سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے سوا سب فانی ہیں یا بالفعل یا بالامکان اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ملت[3] ابراہیم یعنی اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو، سو مومن پر واجب ہے کہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرے اور ملت

---

[1] یعنی آدمی کو کیوں استاد بنایا حی لا یموت کو بنانا تھا۔۱۲ (ملفوظ شریف) [2] یہ مضمون ہے آیت کا وانظر الیٰ الھک الذی ظلت علیہ عاکفاً لنحرقنہ ثم لننسفنہ فی الیم نسفا۔۱۲ (مترجم) [3] یہ مضمون ہے آیت کا ملتہ ابراھیم۔۱۲ (مترجم)

ابراہیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی امید خلقت سے اٹھائے کیونکہ وہ جس روز منجنیق میں بٹھلا کر دور سے آگ میں پھینکے گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کچھ ذکر چھیڑا آپ نے یہی فرمایا کہ تم سے تو کچھ حاجت نہیں ہاں اللہ سے ہے انہوں نے کہا خیر اللہ ہی سے دعاء کیجئے۔

آپ نے فرمایا اس کا علم میری سوال سے کفایت کرتا ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مخلوق سے اپنی ہمت کو کسی طرح بلند رکھا اور اس کو بادشاہ حقیقی کی طرف متوجہ کیا نہ جبرئیل علیہ السلام سے مدد چاہی نہ دعا پر حوالہ رکھا بلکہ حق تعالیٰ کو جبرئیل اور دعا دونوں سے قریب تر دیکھا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نمرود اور اس کی عقوبت سے بچالیا اور اپنے عطا و فضل سے ان پر انعام کیا اور توجہ کی ساتھ ان کو مخصوص فرمایا اور منجملہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے عداوت کرے اور ہمت کو اللہ کی طرف متوجہ کردے جیسا کہ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے **فانهم عدو لی الا رب العلمین** یعنی سوا رب العالمین کے سب سے میری عداوت ہے اور غنا کی راہ اگر چاہتے ہو سو وہ تو اس میں ہے کہ لوگوں سے امید قطع کردے اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں خود اس سے مانوس ہو چکا ہوں کہ میں اپنے کو نفع پہنچاؤں تو اس سے کیوں نہ مایوس ہونگا اور کوئی مجھ کو نفع پہنچا دے اور اللہ سے اوروں کے لئے امید رکھتا ہوں تو اس سے اپنے لئے یہ کیسے امید رکھوں یہی بڑی کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو مل گئی اس کو ایسی تونگری حاصل ہوگئی جس میں محتاج ہی نہیں اور وہ عزت ملی جس میں ذلت نہیں اور وہ خرچ ملا جس کا خاتمہ نہیں اور یہ ان لوگوں کی کیمیاء ہے جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے ساتھ ہوا اور مجھ کو گراں معلوم ہوتا تھا میں نے اس کو بکلف کیا وہ بے تکلف ہو گیا میں نے اس سے پوچھا کہ اے صاحبزادے تم کو کیا حاجت ہے اور تم میری ساتھ کیوں ہوئے کہنے لگا حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں میں اس لئے ساتھ ہوا ہوں کہ اس کو سیکھوں میں نے اس سے کہا تو سچا ہے اور جس نے تجھ سے کہا وہ بھی سچا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس کو قبول نہ کرے گا کہنے لگا کیوں نہیں ضرور قبول کروں گا میں نے کہا کہ میں نے جو مخلوق کو دیکھا تو دو قسم کے لوگ پائے ایک دشمن دوسرے دوست دشمنوں کو جو

خیال کیا تو یقین کیا کہ بے حکم خداوندی کے ایک کانٹا بھی نہیں چبھا سکتے میں نے اپنی نظر ان سے ہٹالی پھر دوستوں سے تعلق کیا تو ان کو دیکھا کہ وہ بھی بے حکم خدا مجھ کو ذرہ برابر نفع نہیں پہنچا سکتے ان سے بھی قطعی ناامید کرلی اللہ کے ساتھ تعلق کیا تو مجھ سے کہا گیا کہ اس امر کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوگی یہانتک کہ ہمارے معاملے میں بالکل شک نہ رہے اور غیر سے بالکل مایوس نہ ہو جاوے کہ وہ قسمت کے علاوہ تجھ کو کچھ دے سکے اور ایک مرتبہ فرمایا اس وقت بھی کسی نے کیمیا پوچھی تھی فرمایا اپنے قلب سے طمع کو نکال دے اور اس سے قطعاً ناامید ہو جا کہ قسمت سے زائد کچھ مل سکے اور یہ جامہ بندگی نہیں کہ عمل بہت سے ہوں وظائف پر دوام کرے اس کی نورانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ اوروں سے غنی ہو اور اپنے قلب سے اسکا مقید ہو جائے اور غلامی طمع سے بچے اور زینت تقویٰ سے آراستہ ہو اسی سے اعمال میں خوبی اور احوال میں صفائی آتی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انا جعلنا ما علی الارض زینة لها لنبلوهم ایهم احسن عملا یعنی ہم نے زمین پر کی چیزیں اس کی سجاوٹ بنائیں تا کہ ہم جانچیں کہ ان میں کون اچھے عمل والا ہے پس اعمال کی خوبی اس سے ہے کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور وہی ہے کہ اللہ کے ساتھ غناء حاصل ہو اس پر اکتفا کرے اس پر بھروسہ ہو اسی سے حاجت پیش کرے اسی کے روبرو ہمیشہ رہے یہ سب ثمرے اسی کے ہیں کہ اللہ کی طرف کی سمجھ ہو اور ورع کو اپنے نفس میں اور اوصاف سے زیادہ ڈھونڈا کر اور مخلوق سے طمع رکھنے سے پاک رہ کیونکہ طامع مخلوق اگر سات دریاؤں سے پاک ہونا چاہے تو کوئی چیز اس کو پاک نہیں کرسکتی بجز اس کے کہ ان سے مایوس ہو اور ان سے اپنی ہمت بلند رکھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں تشریف لائے جامع مسجد میں آکر واعظوں کو دیکھا کہ وہ وعظ کہہ رہے ہیں سب کو اٹھا دیا یہاں تک کہ حسن بصریؒ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے نوجوان میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر جواب دیدیا تو تجھے رہنے دونگا نہیں تو تجھے بھی اٹھادوں گا جیسے اوروں کو اٹھا دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ آثار رشید دیکھے تھے حضرت حسنؒ نے عرض کیا پوچھئے جو آپ کا جی چاہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بتلاؤ دین کی جڑ کیا ہے؟ کہا ورع، فرمایا دین کی خرابی کیا چیز ہے؟

کہا طمع ،فرمایا تو بیٹھا رہ[1] تجھ جیسا شخص لوگوں کو وعظ کہہ سکتا ہے اور میں نے اپنے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں اوائل زمانے میں حدود اسکندریہ میں تھا کسی شناسا کے پاس جاکر کوئی چیز آدھے درہم کو خریدی پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید یہ شخص مجھ سے دام نہ لے اسی وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ دین کی سلامتی اس میں ہے کہ مخلوق سے طمع نہ رکھی جائے اور میں نے ان سے سنا کہ طمع والا کبھی سیر نہیں ہوتا طمع کے حرفوں کو دیکھو سب خالی ہیں طا، میم، عین۔

(ف) شیخ سعدیؒ کا قول مشہور ہے شعر۔

طمع راسہ حرفست دہر سہ تہی ازیں نیست مرطا معانرا بہی

سوا رے مرید تجھ کو لازم ہے کہ مخلوق سے اپنی ہمت کو بلند رکھ اور مقدمہ رزق میں ان کے سامنے خوار مت بن کیونکہ وہ تیرے وجود سے پہلے قسمت میں لکھا گیا اور تیرے ظہور سے پہلے ثابت ہو چکا اور ایک بزرگ کا مقولہ سن کر اے مرد آدمی جو چیز تیری ڈاڑھوں کے چبانے کے لئے مقدر ہو چکی ہیں وہ ڈاڑھیں ضرور اس کو چبائیں گی سو کم بختی مارے اس کو عزت سے کھا ذلت سے مت کھا جاننا چاہئے کہ جو اللہ کو پہچانے گا اس کی ضمانت و کفالت پر وثوق رکھے گا اور جب تک کہ اللہ کے پاس کی چیز پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذمہ داری پر اس سے زیادہ وثوق نہ ہو جتنا مخلوق کی ذمہ داری پر ہوتا ہے اس وقت تک بندے کی سمجھ کامل نہیں ہوتی اور جاہل ہونے کے لئے یہی بہت ہے کہ یہ حالت نہ ہو اور کسی شخص نے ایک آدمی کو جو کہ عارف تھا دیکھا کہ ہر وقت جامع مسجد میں رہتا ہے باہر نہیں جاتا اس شخص نے اس قدر اس کی پابندی سے تعجب کیا اور اپنے دل میں سوچا کہ یہ کہاں سے کھاتا ہے وہ عارف اس شخص کے خطرے پر مطلع ہو کر ایک روز اس سے پوچھنے لگے کہ تو کہاں سے کھاتا ہے اس شخص نے کہا کہ میرا کوئی دوست یہودی ہے اس سے مجھ سے دو روٹی روزانہ کا وعدہ کیا ہے وہ دے جاتا ہے اس عارف نے کہا کہ اے غریب تو نے اپنے لئے ایک یہودی کے وعدے پر وثوق کیا اور میرے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر

---

[1] اس سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت امام بصری کو اپنا خلیفہ بنایا۔ (ملفوظ شریف)

وثوق نہیں کیا حالانکہ اس کا ایسا سچا وعدہ ہے جو کبھی خلاف نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما من دآبة في الارض الا على الله رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها وہ شخص شرما کر چلا گیا کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ چندروز کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے امام کو ان کے ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہنے اور اسباب کے چھوڑنے سے تعجب ہوا پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جا میں پہلے اپنی نمازیں لوٹا لوں پھر بتاؤں گا کیونکہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتا جو اللہ میں شک رکھتا ہو اور حکایتیں اس بارے میں بہت ہیں کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اوپر سے گارا لیس دیا جائے تو اس کا رزق کہاں سے آئے گا فرمایا رزق وہاں سے آئے گا جہاں سے موت آتی ہے اس حجت کو دیکھ کیسی روشنی ہے اور یہ دلیل کیسی واضح ہے اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بچا ہم کو تفکر و تدبیر کرنے سے اس کے حاصل کرنے میں سو تفکر تو یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ مضمون حاضر کرے کہ کوئی غذا ضرور چاہئے جس سے یہ جثہ قائم رہے اور تدبیر یہ ہے کہ دل میں کہے کہ فلاں فلاں طریقے سے رزق ملے گا پھر کہے نہیں بلکہ فلاں فلاں اسباب سے میسر ہوگا اور یہی ادھیڑبن یہاں تک بڑھے کہ نماز میں خبر نہ ہو کہ کتنی پڑھی اور تلاوت قرآن میں خبر نہ ہو کہ کیا پڑھا، پس وہ طاعت جس میں تو لگا تھا مکدر ہو جاوے اور اس کے انوار سے تو بےنصیب رہے اور اس کے اسرار سے تو محروم رہے سو جب یہ خیال تجھ کو گھیرے تو کدال توکل سے اس کی بناء کو منہدم کر دے اور وجود یقین سے اس کو ریزہ ریزہ کر دے اور جان تو تجھ پر اللہ کی مہر ہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تدبیر کا انجام تیرے ہونے سے پہلے کہہ چکا ہے اور تو اگر اپنے نفس کی خیرخواہی چاہتا ہے تو اس کے لئے تدبیر مت کر کیونکہ اس کے لئے تیرا تدبیر کرنا ضرور ہے کہ کیونکہ اس تدبیر کے سبب سے تجھ کو تیرے ہی حوالے کر دیا جائے گا اور مدد لطف تجھ تک نہ پہنچے گی اور حق تعالیٰ ایماندار کو تدبیر اور مقابلہ تقدیر نہیں کرنے دیتا ہے اگر تجھ کو یہ پیش آوے یا اس کا خطرہ آئے تو اس پر قائم مت رہ کیونکہ نور ایمان اس کو نہیں رہنے دیتا فرمایا اللہ تعالیٰ نے وكان حقا علينا نصر المومنين یعنی ہمارے ذمے ہے حمایت ایمان والوں کی اور فرمایا بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه

فاذا ھو زاھق یعنی بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو ناحق پر پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے ، پھر وہ جاتا رہتا ہے اور یہ جو شیخ نے کہا کہ بعد حصول کے حرص وبخل سے بچا سو یہ دونوں عوارض بعد حصول کے ہیں اور یہ دونوں ضعف یقین اور بے اطمینانی سے پیدا ہوتے ہیں اس وقت حرص اور بخل واقع ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حرص وبخل دونوں کی مذمت فرمائی ہے فرمایا ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون یعنی جو شخص حرص سے محفوظ رہا ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اس سے مفہوم ہوا کہ صاحب شح کو فلاح نہیں یعنی اس کو نور نہیں اور فلاح نور کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حال میں فرمایا اشحة علی الخیر اولئک لم یؤمنوا فاحبط الله اعمالهم یعنی وہ لوگ مال پر حریص ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اکارت کردیئے اللہ نے ان کے کام اور فرمایا ومنهم[1] من عاهد الله الیٰ قوله معرضون اور فرمایا ومن یبخل فانما یبخل عن نفسه یعنی جو بخل کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنے سے بخل کرتا ہے کیونکہ نفع تفاق کا اسی کو ملتا ہے اور لفظ حرص وبخل تین قسم پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

اول قسم یہ ہے کہ اپنے مال کو واجبات میں خرچ کرنے سے بخل کرے دوسری قسم یہ ہے کہ مال ایسی جگہ خرچ کرنے سے بخل کرے جہاں لوگوں پر خرچ کرنا واجب نہیں تیسری قسم یہ کہ اپنی جان کو اللہ کے واسطے خرچ کرنے میں بخل کرے سو قسم اول بخل کی یہ ہے کہ بخل کرکے زکوٰۃ نہ دے حالانکہ اس کا حکم ہے یا کوئی ایسا حق جو تجھ پر معین ہوگیا ادا نہ کرے مثلاً ماں باپ کو دینا جب وہ محتاج ہوں اور اولاد کو دینا جب وہ محتاج ہوں یا نابالغ ہوں اور بیوی کو دینا غرض جو حق تجھ پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اس سے کوتاہی کرنا زبان ملامت کو تجھ پر کشادہ کریگا اور تو مستحق عقوبت ہوگا اور اس باب میں یہ آیت آئی ہے والذین یکنزون الیٰ قوله عذاب الیم علماء نے فرمایا کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے جب زکوٰۃ دیدی کنز نہ رہا مطلب یہ ہے کہ اس وعید میں داخل نہ ہوگا اور اس پر ملامت کی زبان نہ کھولی جائے گی دوسری قسم بخل کرنا ایسی جگہ خرچ کرنے سے جس کے ساتھ وجوب

---

[1] آیت پوری مع ترجمہ کے اوپر گذر چکی ہے۔۱۲ (مترجم)

متعلق نہیں جیسے ایک شخص نے مال کی زکوٰۃ تو نکالی مگر اس کے بعد پھر کچھ خرچ نہیں کیا اور اس شخص نے اگرچہ حکم خداوندی کی تعمیل کی جو واجب تھا نکال کر دے دیا مگر صرف اس پر بس کرنا مناسب نہیں کیونکہ صرف واجبات پر کفایت کرنا اور نفل خیرات کو ترک کرنا یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے سو جو شخص مومن ہو اپنا حال اللہ کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہو اس کو زیبا نہیں کہ جو چیز اس پر اللہ نے واجب نہیں کی اس میں اللہ کے ساتھ بالکل معاملہ نہ رکھے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہے کہ فرائض تو پڑھتا ہے مگر سنن نہیں بجا لاتا اور اے شخص تجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد[1] جو حدیث قدسی میں وارد ہوا کافی ہے کہ قرب ڈھونڈھنے والوں کو میرے ساتھ کسی عمل سے ایسا قرب نہیں حاصل ہوتا جیسا ادائے فرض سے ہوتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے میرا قریب ڈھونڈھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنا پیار بنا لیتا ہوں جب میں اس کو پیارا بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور دل اور زبان اور عقل اور ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔

سو حق تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ تکرار نوافل اور اس کا اہتمام بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے اور نوافل وہ اعمال ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بطور وجوب کے طلب نہیں کیا خواہ نماز ہو یا صدقہ یا حج یا کچھ اور جو شخص صرف فرض نمازیں پڑھتا ہے اور دوسرا شخص فرض و نفل دونوں بجا لاتا ہے یا ایک شخص صرف زکوٰۃ دیتا ہے دوسرا شخص زکوٰۃ کے ساتھ کچھ بھی سخاوت کرتا ہے ان دونوں آدمیوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی مالک کے دو غلام ہوں اور اس مالک نے دونوں غلاموں پر دو دو درہم روزانہ خراج مقرر کر دیا سو ایک غلام تو اتنا ہی لا کر مالک کو دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں لاتا نہ کچھ ہدیہ دیتا ہے نہ کچھ محبت کرتا ہے اور دوسرا غلام وہ مالک کے لئے وہ بھی لاتا ہے جو اس کا یار لاتا ہے اور علاوہ خراج معین کے ظروف و میوہ جات ہدیہ لاتا ہے پس یہ غلام بلاشک مالک کے نزدیک زیادہ بہرہ ور اور حصہ محبت کا زیادہ مستحق اور اس کی عنایت سے زیادہ نزدیک ہوگا۔

---

[1] حدیث یہ ہے کہ ماتقرب الی المتقربون مثل اداء فرضت علیهم ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احبه کنت سمعاً وبصراً ولساناً وقلباً وعقلاً ویدا مویدا ۔۱۲ (تنویر)

کیونکہ جو غلام صرف اسی قدر لاتا ہے جتنا معین کر دیا اس کو مالک سے محبت نہیں صرف خوف سزا سے دیتا ہے اور جو غلام علاوہ خراج معین کے ہدیہ وغیرہ بھی لاتا ہے وہ مالک سے محبت کی راہ چلتا ہے اور اس کی محبت کو پیش نظر رکھتا ہے یہی غلام مالک کے قرب ومحبت نصیب ہونے کا زیادہ مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں پر صرف اسی وجہ سے واجب کر دیا کہ ان کا ضعف وکسل کہ جو ان کی حالت وصفت سے اس کو معلوم تھی سو جو کچھ واجب کیا اس لئے واجب کیا کیونکہ انہیں چیزوں میں جواب واجب کی ہیں اختیار دیدیئے کہ تو انہیں کو ہرگز نہ بجالاتے مگر قدرے قلیل اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں اس لئے ان پر اپنی طاعت واجب کر دی اور حقیقت میں دخول جنت کو واجب کیا پس ان کو وجوب کی زنجیروں میں باندھ کر جنت کو روانہ کیا حدیث[1] میں ہے کہ تیرا پروردگار ایسے لوگوں سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔

تنبیہ واعلام جان تو کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرماوے کہ ہم نے واجبات کو غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے جتنی عبادتیں واجب کی ہیں انہیں کی جنس سے کچھ نفل بھی مقرر کی ہے تاکہ اس نفل سے اس خلل کو تدارک ہو جاوے جو ادائے واجب میں مکلف سے ہو جاتا ہے اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اول بندے کی فرائض نماز کو دیکھا جاوے گا اس میں کچھ نقصان ہوا تو نوافل سے اس کی تکمیل کر دی جائے گی اس کو خوب سمجھ لے اللہ تجھ پر رحم فرماوے اور صرف اسی عمل پر اکتفا مت کر جو اللہ نے تجھ پر فرض کیا ہے بلکہ تجھ میں ایک مستعد کرنیوالی محبت بھی ہونی چاہئے جو اس امر پر تیرے متوجہ ہونے کا باعث ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز تجھ پر واجب نہیں فرمائی اس میں بھی اللہ سے معاملہ ہونا چاہئے اور اگر بندے اپنی میزان عمل میں صرف واجبات کے کرنے اور حرام کے چھوڑنے کا ثواب دیکھیں تو ان کو اس قدر خیر ومنت فوت ہو جائے گی جس کو کوئی گننے والا گن نہیں سکتا اور اندازہ کرنے والا اندازہ نہیں کر سکتا پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے لئے دروازہ معاملہ کا کشادہ فرمایا اور اسباب وصال کو بیان کر دیا اور جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندوں میں کم

---

[1] حدیث یہ ہے عجب ربک من قوم یساقوا الی الجنۃ بالسلاسل ۱۲ (تنویر)

ہمت بھی ہیں اور ہمت والے بھی اس لئے واجبات کو واجب کیا اور حرام کو بیان کیا جو کم ہمت
تھے انہوں نے صرف ادائے واجبات اور ترک محرمات پر بس کیا اور ان کے دلوں میں غلبہ
محبت اور شیفتگی نہیں ہے جو ان کو باعث ہو کہ بدوں واجب کیے بھی معاملہ کریں سو ان کی مثال
اس غلام کی سی ہے جس کا حال مالک کو معلوم ہے کہ اگر اس پر خراج مقرر نہ کروں گا تو یہ کچھ نہ
لائے گا اسی واسطے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اور ادکو موقوف فرمایا اور اعمال عبودیت کو مقرر کیا اور
طلوع وغروب اور سایہ کے برابر ہو جانے سے نماز کے اوقات بتلائے اور نقد اور تجارت اور
مواشی میں جو مال بڑھتا ہے اس میں سال گذرنے پر مقرر کیا اور کھیتی میں جب پیداوار ہو جیسا
فرمایا واتوا حقه یوم حصاده یعنی کھیتی کا حق کاٹنے کے دن دو اور حج کو عشرہ ذی الحجہ میں
مقرر کیا اور روزے رمضان میں ٹھہرائے پس ان اعمال کو معین کیا ان کا وقت مقرر کر دیا اور ان
سے جو وقت بچے اس میں حظوظ البشریہ اور سعی اسباب کے لئے فرصت دی اور جو اہل اللہ ہیں
اور ان کو اللہ کی طرف سمجھ ہے انہوں نے تمام اوقات کو ایک وقت کر دیا اور تمام عمر کو اللہ کی
طرف قصد کرنے کا راستہ بنایا اور جان لیا کہ سارا وقت اسی کا ہے اس کا کچھ حصہ بھی غیر کے
لئے نہیں ٹھہرایا اسی واسطے شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ بس ایک وظیفہ اختیار کرلو اور وہ ترک کرنا
ہے خواہش نفسانی کا اور محبت کرنا مالک سے پھر محبت اس محبّ کو بجز طاعت محبوب کے کوئی کام
نہ کرنے دے گی اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے سانس میں حق تعالیٰ کی امانتیں اور ودیعتیں
ہمارے پاس ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کے لحاظ رکھنے کا مطالبہ ہم سے کیا جائے گا پس
انہوں نے اپنی ہمتیں اس طرح متوجہ کردیں اور جیسا اللہ کی ربوبیت بھی دائم ہے اسی طرح
تجھ پر حقوق ربوبیت بھی ایسے کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں اس کے حقوق ربوبیت بھی
ایسے ہی ہونے چاہئیں شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت کے عبودیت کا ایک حصہ ہے جس کا
حق تعالیٰ تجھ پر بحکم ربوبیت فرماتا ہے اب ہم کو لازم ہے کہ کلام کی باگ روک لیں تاکہ مقصود
کتاب سے علیحدہ نہ ہو جائیں تیسری قسم سخاوت کی وہ جان دینا ہے راہ مولیٰ میں یہ سب
اقسام میں افضل ہے اور دوسری قسمیں سخاوت کی اسی کے حاصل کرنے کے لئے ہیں پس جو
شخص اللہ کے ساتھ واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی غیر واجب خیرات میں دریغ کرتا ہے اور

جو غیر واجب میں دریغ نہیں کرتا کبھی جان دینے میں دریغ کرتا ہے اور اس کے خرچ کرنے میں سخی نہیں بنتا کیونکہ جان کی سخاوت کرنا اور اس کو خرچ کرنا یہ اخلاق صدیقین اور حالات اہل یقین سے ہے جن کو اللہ کی معرفت ہوگئی انہوں نے اپنی جانیں دے ڈالیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ غلام مالک کے آگے کسی شئے کا مالک نہیں ہوتا اور جب جان کی سخاوت سب اقسام میں کامل تر ہے تو اس کا بخل بھی سب سے بدتر ہوگا اس بیان سے شیخ کے اس قول کے معنی واضح ہوگئے کہ ہم کو حرص و بخل سے بعد حصول رزق کے بچا اور یہ اشارۃً واجمالاً بیان ہوا ہے نہ تفصیلاً کیونکہ کتاب اس مضمون کے لئے نہیں بنائی گئی تیسری قسم ان عوارض کی جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں کیونکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عوارض جو مقدمہ رزق میں پیش آتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں ایک قبل الحصول دوسری وقت الحصول ان دونوں کا ذکر تو کلام شیخ میں ہو چکا اور ہم نے اسکو بیان کر دیا یہ تیسری قسم وہ عوارض ہیں جو بعد حصول اور ختم ہو چکنے رزق کے پیش آتے ہیں یعنی افسوس ہونا پچھتانا ہمیشہ اس کا نگراں رہنا سو اس سے بھی پاک ہونا چاہئے اور یہ ارشاد خداوندی سنو لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم و لا تفرحوا بمآ اتکم یعنی تاکہ نہ مغموم ہو تم اس چیز سے جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ اس پر جو تم کو دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا بچہ انتقال کر گیا آپ نے فرمایا۔

(ف) یعنی قاصد سے۔

کہ ان کو یہ بات بتلا دو کہ اللہ ہی کا تھا جو لے لیا اور اسی کا ہے جو دے رکھا ہے اور جو شخص بجز اللہ کے کسی چیز کے نہ ملنے پر افسوس کرے وہ بآواز بلند اپنی جہالت اور خدا سے دوری کی خبر دے رہا ہے کیونکہ اگر اللہ کو پاتا تو ماسوا کو ڈھونڈھتا نہ پھرتا پس جو شخص اللہ کو پالیتا ہے پھر وہ کسی شے کو نہیں پاتا کہ اس کو تلاش کرے اور بندے کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو چیز اس کے ہاتھ میں نہیں آتی وہ اس کا حصہ نہ تھا یا کوئی چیز اس کے پاس تھی اور گم ہوگئی وہ اس کا حق نہ تھا کیونکہ وہ اگر اس کا رزق ہوتا تو دوسرے کے پاس نہ جاتا بلکہ اس کے پاس عاریت تھی جس نے عاریت دی تھی اس نے لے لی اور جس نے ایجاد کیا تھا اس نے واپس کر لیا اور کسی شخص کی ایک چچازاد بہن تھی بچپن سے اس کے نامزد تھی یہ شخص بڑا ہوا ایسے امور پیش آئے

کہ اس سے نکاح نہ ہوا اس لڑکی کا اور کسی سے نکاح ہو گیا ایک سمجھدار آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص نے تیری چچازاد بہن سے نکاح کیا تھا تجھ کو مناسب ہے کہ اس سے جا کر معذرت کر کیونکہ تو اس لڑکی کو لینا چاہتا تھا اور وہ ازل میں اس کی زوجہ تھی۔

(ف) یعنی یہ معذرت کر کہ میں نے تمہارے حق لینے کا ارادہ کیا تھا نادانستگی میں مجھ سے یہ خطا ہوئی اب تم معاف کر دو اور کدورت نہ رکھو۔

اور ایماندار کو اس مضمون میں کہ فوت ہوئی چیز پر نادم نہ ہو یہ آیت بس ہے ومن الناس من یعبد اللہ علیٰ حرف فان اصابہ خیر اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علیٰ وجھہ خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین" یعنی بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا اگر اس کو کوئی مال مل گیا تو اس میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش آنے لگی تو الٹے منہ لوٹ جاتا ہے گھاٹے میں پڑا یہ شخص دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہ کھلا گھاٹا ہے، سو حق تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو چیزوں کے ملنے کے وقت اس کے ساتھ جی لگائے دیکھو کس طرح فرمایا فان اصابہ خیر اطمان بہ یعنی اس مال پر جی لگا بیٹھا اور اگر اس کو سمجھ ہوتی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز سے دل نہ لگاتا اور صرف اللہ ہی کے ساتھ اس کا جی لگتا اسی طرح اس شخص کی بھی مذمت فرمائی جو ان چیزوں کے گم ہو جانے کے وقت مفہوم ہو کیونکہ فرمایا وان اصابتہ فتنۃ اور فتنے کی تفسیر ہے اس مرغوب چیز کا گم ہو جانا جس سے جی لگا تا انقلب علیٰ وجھہ یعنی اس کی عقل متحیر ہوتی ہے اور نفس بھول جاتا ہے اور قلب غافل ہو جاتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی معرفت اس کو نصیب نہیں اور اگر اللہ کو پہچانتا تو اس کا موجود ہونا تمامی موجودات سے بے پرواہ کر دیتا اور اس کے باعث ہر مفقود سے مستغنی ہو جاتا اور جس نے اللہ کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہ پایا اور جس نے اللہ کو پالیا اس نے کسی چیز کو گم نہیں کیا اور جس نے ایسی ذات کو پالیا جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اس کو کیوں کر کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے موجد اشیاء کو پالیا اس کو کیسے کہیں کہ اس نے کسی چیز کو گم کیا ہے اور جس نے ایسی چیز کو پالیا جو ہر چیز کو جلوہ گر ہے اس کو کیسے کہیں کہ اس کی کوئی چیز گم ہو

گئی پس ماسوا اللہ اہل معرفت کے نزدیک یافت ونایافت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس کے آگے کوئی موجود ہی نہیں کیونکہ اس کی احدیت ثابت ہے اسی طرح کوئی چیز مفقود بھی نہیں کیونکہ مفقود وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے موجود ہوئی ہو اور اگر حجاب وہم پھٹ جائے تو معائنہ ہو جائے کہ اشیاء عالم موجود نہیں اور نور یقین چمک اٹھے اور وجود کائنات کو ڈھانپ لیوے اور جب تو اس کو سمجھ چکا تو تجھ کو لازم ہے کہ کسی چیز کے گم ہونے پر غم مت کر اور کسی شے کے موجود ہونے کی طرف میل مت کر کیونکہ جو شخص ایسا ہو کہ چیز پائے تو میلان کرے اور نہ پائے تو مغموم ہو اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اس چیز کا بندہ ہے جس کے ہونے نے خوشنود، اور گم ہونے نے غم آلود کیا ہے اور اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد[1] سنو۔ برباد ہو جائے بندہ دینار کا برباد ہو جائے بندہ درہم کا برباد ہو جائے بندہ کملی کا برباد ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو نکلنا نصیب نہ ہو سو اپنے دل میں بجز اللہ کی محبت اور دوستی کے کسی چیز کو محکم مت کر کیونکہ تیرا رتبہ اس سے زیادہ ہے کہ تو غیر کا بندہ بنے اللہ نے تو تجھ کو لائق غلام بنایا تو نالائق غلام کیوں بنتا ہے اور جن کو اللہ کی طرف کی سمجھ ہے ان کی فہم ان کو کسی شے کے ہونے کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی اور نہ کسی شے کے نہ ملنے سے نگراں ہونے دیتی ہے تاکہ ان کی عبودیت محفوظ رہے اور ماسوا سے آزادی درست رہے میں نے اپنے شیخ ابوالعباس سے سنا ہے فرماتے تھے کہ اہل حال دو قسم ہیں ایک تو وہ شخص جو حال میں حال کا ہو رہا ہے اور ایک وہ شخص جو حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے سو جو شخص حال میں اپنے حال کا ہو رہا ہے وہ بندۂ حال ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر حال کو پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب نہیں پاتا تو غمگین ہوتا ہے اور جو شخص کہ حال میں حال پیدا کرنے والے کا ہو رہا ہے وہ بندۂ خدا ہے نہ کہ بندۂ حال ہے اور اس کی یہ کیفیت[1] ہے کہ اگر حال کو نہ پائے گا غمگین نہیں ہوتا اور جو پائے تو خوش نہیں ہوتا۔

پس یہ ارشاد خداوندی ہے ومن الناس من یعبد اللہ علیٰ حرف اس کی تفسیر یہ ہے

---

[1] حدیث یہ ہے تعس عبد الدنیا تعس عبدالدرھم تعس عبد الجمیعۃ تعس وانتکس واذا شیک والا انتقش ۱۲ (تنویر)

کہ عبادت کرتا ہے اللہ کی ایک کنارے پر یعنی ایک جہت پر وہ جہت اگر زائل ہوگئی اس کی طاعت بھی زائل ہوگئی اور اس کی اطاعت منقطع ہوگئی اور اگر اس کو ہماری طرف کی سمجھ ہوتی تو ہر حالت اور ہر جہت میں ہماری عبادت کرتا جیسا وہ تیرا ہر حال میں رب ہے اسی طرح تو ہر حال میں اس کا بندہ رہ، فرمایا فان اصابه خیر اطمئان به یعنی اس کو اگر کوئی خبر پہنچی ہے جو اس کے نفس کے موافق ہو کہ اس کی نظر میں خیر ہے اور کبھی واقع میں شر ہوتی ہے وان اصابته فتنه انقلب یعنی اگر وہ خیر جاتی رہے جس سے مطمئن ہوا تھا اور اس کو فتنہ یعنی آزمائش فرمایا کیونکہ نعمت کے گم ہونے میں مومن کے ایمان کا امتحان ہوتا ہے اور نہ ہوت میں لوگوں کے حال معلوم ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ ہمارا اغنا اللہ کے ساتھ ہے حالانکہ انکا غنا اسباب سے اور طریق اکتساب سے ہے اور بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے رب سے انس ہے اور حالانکہ انکا انس اپنے حال سے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حال جاتے رہنے سے انس بھی جاتا رہتا ہے پس اگر رب سے انس ہوتا تو وہ دائم و باقی ہے انس بھی دائم و باقی رہتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے خسر الدنیا والاخرة دنیا کا تو یہ نقصان ہوا کہ مراد دنیوی حاصل نہ ہوئی اور آخرت کا اس لئے نقصان ہوا کہ اس کے لئے عمل نہیں کیا سو جو کچھ اس کا مطلوب تھا جاتا رہا اور اس نے ہم کو تو طلب کیا نہ تھا کہ ہم اس کے ہو جاتے خوب سمجھ لو فصل، اس فصل میں مثالیں ذکر کریں گے اللہ کے آگے تدبیر چلانے کی اور تدبیر چلانے والوں کی اور مثالیں رزق کی اور اللہ تعالیٰ کے کفیل ہونے کی کیونکہ مثال سے خوب حال کھلتا ہے۔

پہلی مثال

جو اللہ کے آگے تدبیر چلائے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے سمندر کے کنارے پر مکان بنایا ہو وہ جس قدر عمارت میں کوشش کرتا ہے موجیں بڑھتی جاتی ہیں اس کے سارے حیلے رخصت ہو جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے آگے تدبیر کرتا ہے کہ وہ تدبیر کی عمارتیں تیار کرتا ہے اور تقدیر آ کر اس کو گرا دیتی ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مدبر تدبیر کرتا ہے اور تقدیر ہنستی[1] ہے اور شافع نے کہا ہے۔

---

[1] کما قال العارف الرومی: روزہا گر رفت گو رو باک نیست   تو بمان اے آنکہ چوں تو پاک نیست

عمارت کب وہ پوری ہو کہ تو اس کو بناتا ہو   مگر ہو دوسرا اس جا کہ وہ اس کو گراتا ہو

دوسری مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص ریگ کے ڈھیر میں آ کر اس پر مکان چنے آندھی جو آئی[1] سب ریگ اڑ گیا جو بنایا تھا وہ گر گیا جیسا کہا گیا ہے۔

مٹ گئے گھر ان کے مل کر ریگ میں   کب رہے قائم جو ہو گھر ریگ میں

تیسری مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک لڑکا اپنے والد کے ساتھ سفر کرے اور دونوں رات کو چلیں اور باپ چونکہ اپنے لڑکے پر غایت درجہ کا شفیق ہے وہ لڑکے کی بے خبری میں دیکھ بھال کر رہا ہے مگر لڑکا بوجہ حائل ہونے تاریکی کے باپ کو نہیں دیکھتا اس لئے وہ لڑکا اپنی فکر میں مبتلا ہے کہ کس طرح کرے یکا یک چاند نکل آیا اور باپ کو دیکھا کہ پاس ہے اسکا جی ٹھہر گیا اور دل کو سکون ہو گیا چونکہ اپنے باپ کو پاس دیکھا اس وقت باپ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو گیا ایسا ہی جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اس لئے تدبیر کرتا ہے کہ شب دوری میں مبتلا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب معلوم نہیں اگر ماہتاب توحید یا آفتاب معرفت طلوع کرے تو اللہ کا قرب مشاہدہ کرے پھر تدبیر کرتا ہوا شرمائے اور اللہ کی تدبیر پر اپنی تدبیر سے مستغنی ہو جائے۔

چوتھی مثال

تدبیر ایک درخت ہے پانی اس کا بدگمانی ہے پھل اس کا اللہ سے دوری ہے کیونکہ اگر بندے کو اپنے رب سے حسن ظن ہوتا تو درخت تدبیر بوجہ اس کی غذا موقوف ہو جانے کے اس کے قلب میں خشک ہو جاتا اور اس کا پھل اللہ سے دوری اس لئے ہے کہ جو شخص اپنے لئے تدبیر کرتا ہے وہ اپنی عقل پر اکتفا کرتا ہے اور اپنی تدبیر پر راضی ہوتا ہے اور اپنی ہستی پر حوالہ کرتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اسی پر حوالہ کر دیا جاوے اور منت الٰہیہ کو اس کے پاس نہ جانے دیا جاوے۔

---

[1] مسکن از بحر فنا پر نہ بنا اے ناشاد   صورت بلبلہ پانی میں ہے تعمیر عبث (علوۂ شریف)

پانچویں مثال

تدبیر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی غلام کو اس کے مالک نے ایک شہر میں واسطے درستی کسی متاع کے بھیجا وہ غلام اس شہر میں گیا اور کہنے لگا میں کہاں رہوں کس سے شادی کروں غرض وہ اسی میں لگا رہا اور اپنی ہمت کو اس جگہ صرف کر دیا اور جو مالک نے حکم کیا تھا اس کو معطل چھوڑ دیا جب وہ مالک اس کو اپنے پاس بلائے گا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوری اور مجبوری کا مزہ چکھائے گا کیونکہ وہ اپنے بکھیڑوں میں مالک کے حق سے غافل ہو گیا پس اے مومن ایسا ہی تیرا حال ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس دنیا میں بھیجا اور اپنی خدمت کا حکم دیا اور تیرے لئے تدبیر کا سرانجام کیا اور اگر تو اپنی تدبیر میں لگ کر اپنے مالک کے حق سے غافل ہو گیا تو طریق ہدایت سے تو نے روگردانی کی اور ہلاکی کی راہ چلا۔

چھٹی مثال

مدبر اور غیر مدبر کی ایک ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کے دو غلام ہوں ایک تو اپنے آقا کے احکام میں لگا ہے کھانے پہننے کی طرف التفات نہیں کرتا اس کو بڑی فکر آقا کی خدمت گذاری کی ہے اس امر نے اس غلام کو اس کے حظوظ و ضروریات کی فرصت سے غافل کر رکھا ہے اور ایک دوسرا غلام ہے جب اس کو آقا بلاتا ہے کبھی اپنے کپڑے دھو رہا ہے کبھی اپنے جانوروں کو مل دل رہا ہے کبھی اپنا بناؤ سنگار کر رہا ہے سو پہلا غلام عنایت آقا کے زیادہ مستحق ہے بہ نسبت دوسرے غلام کے جو کہ اپنے حظوظ و ضروریات میں لگ کر آقا کے حقوق سے غافل ہے اور غلام کو اس لئے خریدا جاتا ہے کہ آقا کی خدمت کرے نہ کہ ہر وقت اپنے کام لگا رہے ایسا ہی حال ہے بندۂ دانا کو اس کو ہمیشہ اسی حال میں دیکھو گے کہ اپنے نفس کے مرغوبات اور مہمات کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق اور احکام کی نگہداشت میں لگا رہتا ہے جب اس کا یہ حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے سارے کام بنا دے گا اور اس کی طرف اپنی عطائے جزیل سے متوجہ ہوگا کیونکہ وہ توکل میں صادق ہے اور جو اللہ پر بھروسہ[1] کرتا ہے۔

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ (مترجم)

اللہ اس کو بس کرتا ہے اور غافل کا یہ حال نہیں بلکہ اس کو جب دیکھو گے اپنے دنیا کے اسباب حاصل کر رہا ہے اپنی خواہش نفسانی کے ذریعے جمع کر رہا ہے اپنے نفس کی تدبیر کر رہا ہے اور اس پر حوالہ کر دیا گیا ہے خوبی وثوق صدق توکل سے دور پڑا ہے۔

ساتویں مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسا پھیلا ہوا سایہ جب کہ آفتاب برابر نہیں ہوتا اور جب آفتاب ٹھیک سر پر آجاتا ہے تو وہ سایہ فنا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یوں ہی سایہ ایک نشان رہ جاتا ہے کہ استواء کے وقت محو نہیں ہوتا یہی حال ہے آفتاب معرفت کا جب قلوب کے مقابل آتا ہے وجود تدبیر کو محو کر دیتا ہے البتہ کچھ تدبیر بندے کی اس لئے رہ جاتی ہے کہ اس پر احکام شرعی جاری ہو سکیں۔

آٹھویں مثال

مدبر کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے کوئی گھر یا کوئی غلام فروخت کیا پھر جب سودا پورا ہو چکا تو بائع مشتری کے پاس آیا اور کہا کہ اس میں کوئی مکان بنانا یا فلاں کوٹھڑی اس کی گرا دینا اس میں فلاں بات کرنا یا خود بائع ان کاموں کو کرنے چلا پس اس سے کہا جائے گا کہ تو تو فروخت کر چکا ہے اب فروخت کرنے کے بعد بیع میں تیرا تصرف نہیں رہا کیونکہ بیع کرنے کے بعد منازعت نامعقول ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ہے کہ اس نے سب کی جانیں اور موال بعوض جنت کے خرید ے ہیں سو مومن پر لازم ہے کہ اپنے اور اپنے نام لگی چیز کو اللہ کے سپرد کر دے کیونکہ اسی نے پیدا کیا اور اسی نے خرید لیا اور سوچنے کو یہ بات لازم ہے کہ جو چیز سونپ دے اس کی تدبیر ترک کر دے رہ گیا رزق سو بندے کی رزق کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام سے کہے کہ اس گھر میں فلاں کام میں لگا رہ سو یہ نہیں ہو سکتا کہ کام کرنیکا حکم کر دے اور کھانے پینے پہننے کی خبر نہ لے اور اس کی کفایت ورعایت کا سرانجام نہ کرے اسی طرح بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں طاعت و بجا آوری احکام کا حکم فرمایا ہے اور اس کی روزی کا کفیل ہو گیا سو بندے کو خدمت کرنا چاہئے مالک اپنی عنایت سے اس کا خبر گیراں ہے

---

[1] یہ مضمون ہے آیت کا ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔(مترجم)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے وامر اھلک الیٰ قولہ للتقویٰ اور اس کا بیان اوپر گذر چکا۔

نویں مثال

بندے کی مثال دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بچہ اپنی ماں کے ساتھ ماں اپنی کفالت سے کبھی بچہ کو نہیں چھوڑتی اور رعایت سے نہیں نکالتی ایسی ہی اللہ تعالیٰ مومن کی کفالت فرماتا ہے اور اس کو نعمتیں بھیجتا ہے اور محنتیں دفع کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جس کے پاس بچہ تھا آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے لوگوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ ماں اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے مومن پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

دسویں مثال

بندے کی مثال دنیا میں ایسی ہے جیسا ایک غلام ہو اس کو مالک نے حکم کیا ہو کہ فلاں جگہ جا اور اپنا کام پکا کرے کیونکہ یہاں سے فلاں طرف کو تجھے سفر کرنا ہے اور اپنا ساز و سامان لے لے جب مالک نے اس کو یہ اجازت دیدی تو یقینی بات ہے کہ اس کے لئے مباح کر دیا کہ جس چیز سے اپنی ترکیب جسمانی قائم رکھنے میں مدد ملے اس کو کھائے پئے تا کہ ساز و سامان کے طلب کرنے میں سعی و اہتمام کر سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں پیدا کیا اور حکم فرمایا کہ یہاں سے سفر آخرت کے لئے توشہ لے لے چنانچہ ارشاد ہوا وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ یعنی توشہ لے لو پس سب سے اچھا توشہ تقویٰ ہے پس معلوم ہو گیا کہ جب آخرت کے لئے توشہ لینے کا حکم فرمایا تو دنیا سے ایسی چیزوں کا لینا مباح کر دیا جس سے توشہ کے جمع کرنے اور سفر کے لئے آمادہ ہونے اور آخرت کے لئے سامان درست کرنے میں مدد پہنچے۔

گیارہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے کہ کسی مالک نے کہ اس کے پاس ایک باغ ہے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس باغ میں درخت دے زراعت کرے اور اس کی درستی کا

اہتمام کرے سواگر یہ غلام حکم پاتے ہی مالک کے حکم کو بجالائے اور کسی ساعت باغ سے نہیں نکلتا سواگر یہ غلام اس باغ میں سے کچھ کھا پی لے تو مالک نہ ملامت کرے گا نہ اس کھانے سے منع کرے گا کیونکہ جب اس سے کھائے گا تو اس میں محنت بھی کرے گا لیکن اس غلام کو یہ چاہئے کہ اسی قدر کھائے جس سے کاروبار میں سہارا لگے لذت اور خواہش کے واسطے نہ کھائے۔

بارہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے بہت بڑا باغ لگایا اور بہت بڑا مکان بنایا کسی نے پوچھا کہ کس کے لئے یہ سامان کیا ہے اسنے کہا اپنے لڑکے کے لئے کیا ہے جس کے پیدا ہونے کی امید ہے سواس نے بوجہ محبت کے لڑکے کی ضرورت کی چیزیں اس کے پیدا ہونے کے پہلے مہیا کر دیں کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب اس کے ہونے سے پہلے سب کچھ تیار کر رکھا ہے کیا اس کے ہونے کے بعد اس کو نہ دیگا اسی طرح بندے کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا میں نعمت مہیا کر رکھی ہے اگر فہم ہو تو نعمت تیرے ہونے سے پہلے ہو چکی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اس کی عطا تیرے وجود سے پہلے اور اس کی نعمت تیرے ظہور سے پہلے ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عطا فرما چکا ہے قبل اس کی کہ بندہ موجود ہو اور اس کا کچھ عمل وقوع میں آوے سو جو چیز اللہ نے ازل سے تیری قسمت میں لکھ دی ہے اور تیرے لئے جمع کر دی ہے اس سے تجھ کو محروم نہ کریگا کیا ہو سکتا ہے کہ ہونے سے پہلے مہیا کر دے اور ہونے کے بعد نہ دے۔

تیرہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا بادشاہ کسی نوکر کو اپنے گھر لایا اور حکم دیا کہ فلاں کام کر سو یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نوکر کو لائے اور اس سے گھر میں کام لے اور بے کھلائے اس کو چھوڑ دے کیونکہ بادشاہ کی شان اس سے رافع ہے کہ ایسا ہی بندے کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے سو دنیا تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور تو نوکر ہے اور کام اطاعت کرنا ہے اور اجرت جنت ہے سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو کام کرنے کو فرما دے پھر تیرے پاس وہ سامان نہ بھیجے جس سے تو مدد لے سکے۔

چودھویں مثال

بندے کی مثال اللہ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک بادشاہ کریم کے گھر مہمان ہوا سو اس مہمان کو سزاوار ہے کہ اپنے کھانے پینے کی فکر نہ کرے کیونکہ اگر ایسا کیا تو بادشاہ پر تہمت وبدگمانی ہے اور یہ مضمون شیخ ابو مدین کا مقولہ اوپر گذر چکا ہے اسی طرح دنیا اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو لوگ ہیں وہ اللہ کے مہمان ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بندوں کو تو مہمانداری کا حکم فرمائے اور خود مہمان کی خبر نہ لے سو جو شخص دنیا میں اپنے کھانے پینے کی دھن میں ہے وہ بادشاہ حقیقی کی نظر میں مبغوض ہے کیونکہ اگر اس کو اللہ میں شک نہ ہوتا اپنے حال کی کیوں فکر کرتا۔

پندرہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام کو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں جگہ جاکر رہے اور اس جگہ جو غنیم ہے اس سے لڑے اور اپنی ہمت اس کے مقابلے میں صرف کرے اور اس کے مقابلے میں ہمیشہ لگا رہے سو یقینی بات ہے کہ جب بادشاہ نے اس کو یہ حکم دیا ہے تو اس کے لئے یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس شہر کی تحائف وخزائن سے امانت داری کے ساتھ کھایا کرے تاکہ جس کے مقابلے کا حکم بادشاہ نے دیا ہے اس کے مقابلے میں قوت حاصل کرے اسی طرح بندوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے لڑیں چنانچہ فرمایا وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ یعنی اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرو جیسا مجاہدہ کا حق ہے اور فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی سمجھو پس جب بندوں کو شیطان سے لڑنے کا حکم دیا تو اس کی بھی اجازت دی کہ اس کی نعمتوں سے اس قدر کھالیویں جس سے محاربہ شیطان میں قوت حاصل کریں کیونکہ اگر کھانا پینا چھوڑ دو تو طاعت کا بجالانا اور خدمت میں آمادہ ہونا ممکن نہ ہو پس بادشاہ کا مجاہدہ کے لئے حکم فرمانا اس کو بھی شامل ہے کہ جتنی چیزیں بادشاہ کی کہلاتی ہیں جن کو تیرے لئے تیار کر رکھا ہے اس کا برتنا مباح ہے لیکن بطریق امانت وحفاظت حقوق کے ہو۔

(ف) یعنی کسی اور کا حق نہ کھائے۔

سولہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا کسی شخص نے ایک درخت لگایا اس ارادے سے کہ یہ بڑھے اس کی پودہ پھلے سو درخت کو اگر علم ہو تو وہ خود جان سکتا ہے ورنہ ہم اس کی نسبت یقیناً جانتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو لگائے اور پانی نہ دے کیسے ہوسکتا ہے اس کو تو شوق ہے کہ اس کی پودہ بڑھے یہ تو ہوا اسی طرح اے شخص تو درخت ہے اللہ تعالیٰ تیرا بونے والا اور ہر دم سینچنے والا ہے تیری غذا پہنچانے کا سامان کرنے والا ہے تو اس پر یہ بدگمانی مت کر کہ تیرے درخت وجود کو بوئے اور بونے کے بعد پانی نہ دے کیونکہ وہ غافل نہیں۔

سترہویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے جس کے بہت سے غلام ہیں ایک گھر بہت عمدہ بنایا اور اس کو خوب سجایا اور اس میں باغ لگایا اور اس میں جمیع مرغوبات پورے طور سے رکھے مگر ابھی یہ غلام دوسری جگہ ہیں اور بادشاہ کو منظور ہے کہ ان کو اس گھر میں لاوے کیا گمان کرسکتے ہو کہ یہ بادشاہ جس کی نظر میں اس تمام تر ذخیرہ اور سامان کے علت غائی یہی غلام ہیں وہ ان لوگوں کو ان کی معمولی جگہ میں اپنی نعمت اور فضلہ طعام سے منع کرے گا اسی طرح بندوں کی حالت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ان کو دنیا میں پیدا کیا اور جنت کو مہیا کیا جیسا آخرت کو مہیا کیا اور اس کو منظور ہے کہ دنیا میں سے وہ چیز برتا ئے جن سے اس کا وجود قائم رہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **کلوا واشربوا کلوا من رزق اللہ** اور فرمایا **کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ** اور فرمایا **یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا** اور فرمایا **یایھا الذین امنوا کلوا من الطیبات ما رزقنکم** سو جب کہ تیرے لئے نعمت باقی کو ذخیرہ فرمایا اور تجھ پر اس سے احسان کیا تو فانی سے تجھ کو محروم کریگا اور اگر محروم کرے تو اسی خیر سے محروم کریگا جو تیری قسمت میں نہیں وہ تیرا حق نہیں سو ایسا نہ دینا یہ بھی عطاء شفقت سے اس کو معلوم ہے کہ اس میں تیری مصلحت اور تیرے کام کی درستی ہے جیسا درخت سے لگاتار پانی آنے کو روک دیتے ہیں تا کہ ہر وقت کا پانی اس کو تلف نہ کردے۔

اٹھارہویں مثال

جو شخص دنیا کی فکر میں زاد آخرت سے غافل نہ ہو جائے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص ہو کہ درندہ اس پر چڑھا آتا ہے اور قریب ہے کہ اس کو پھاڑ ڈالے اور ایک مکھی بھی آ کر بیٹھ گئی یہ شخص مکھی کے ہٹانے میں لگ کر شیر سے کچھ بچاؤ نہیں کرتا سو ایسا شخص بڑا احمق ہے بالکل عقل کو کھوئے بیٹھا ہے اور اگر یہ عقل کے ساتھ موصوف ہوتا تو اس کو شیر کا اور اس کے حملے کا اور اس کے چڑھے چلے آنے کا اتنا بڑا دھندا تھا کہ مکھی کے قصے میں مشغول ہونے کی فکر بھی نہ کر سکتا یہی حال اس شخص کا ہے جو دنیا کی فکر میں آخرت کے توشے جمع کرنے سے غافل ہو جائے یہ اس کی حماقت کی دلیل ہے کیونکہ اگر صاحب فہم و عقل ہوتا تو آخرت کے لئے سامان کرتا جس کی اس سے باز پرس ہوگی وہاں کھڑا کیا جائے گا اور مقدمہ رزق کے اہتمام میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس کا اہتمام کرنا آخرت کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے شیر کے سامنے مکھی۔

انیسویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسا باپ کے آگے بچہ کی باپ کے ہوتے کچھ غم نہیں پاتا اور نہ افلاس سے ڈرتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ باپ میرا کفیل ہے اس کے اعتماد نے اس کی زندگی خوش کر دی اور اس کا غم زائل کر دیا اسی طرح مومن کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ کچھ غم نہیں پاتا اور اس کے میدان قلب میں رزق کی بابت غموم نہیں آتے کیونکہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو مہمل نہ چھوڑے گا اور اپنے فضل سے جدا نہ چھوڑے گا اور اپنے جود و احسان سے محروم نہ کریگا۔

بیسویں مثال

بندے کی مثال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک غلام ہے اس کا مالک تو انگر صاحب ثروت ہو اور غلاموں کے احسان کرنے کے ساتھ موصوف ہو انکار کرتا ہوا کبھی نہ دیکھا گیا ہو جود و عطا میں معروف ہو اور غلام کو اس کے فضل پر اعتماد اس کے احسان پر نظر رکھتا ہے اپنے مالک کی تو انگری معلوم ہے اس لئے تمام رنج و محن سے علیحدہ ہے اور یہی مضمون

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا باعث ہوا فرماتے ہیں کہ ایک بار قحط کے ایام میں کسی جگہ میرا گذر ہوا ایک غلام کو دیکھا کہ خوش وخرم ہے اس مصیبت کی خبر نہیں جس میں لوگ گرفتار ہیں میں نے پوچھا اے جوان تجھ کو خبر نہیں لوگ کس بلا میں مبتلا ہیں کہنے لگا مجھ کو تو پرواہ نہیں میرے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے ہر روز کے خرچ کے لائق ہمارے یہاں آجاتا ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس کے مالک کے پاس ایک پورا گاؤں ہے تو میرے مالک کے پاس تمام آسمان وزمین کے خزانے[1] ہیں مجھ کو اس کی نسبت اپنے مالک کے ساتھ وثوق کرنا زیادہ زیبا ہے سبب میری آگاہی کا ہوا۔

اکیسویں مثال

جو شخص سبب میں مشغول ہے اور اسباب سے روزی دیتا ہے اس کی مثال تو اس غلام کی سی ہے کہ اس سے مالک نے کہا کہ کام کر اور اس میں سے کھا اور جو شخص اسباب کا تارک ہے اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس سے مالک نے کہا تو میری خدمت میں رہا کر میں اپنی نعمت تجھ کو دیتا رہوں گا۔

بائیسویں مثال

جو شخص اسباب میں اللہ تک نظر پہنچائے اس کی مثال ہے کہ جب آسمان سے بارش ہونے لگے تو کوئی آدمی پرنالے کے نیچے بیٹھ جائے پس وہ صرف اللہ ہی کا شکر کرتا ہے اور پرنالے کے نیچے بیٹھ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شخص بارش کو اس کی طرف نسبت کرے بلکہ یقیناً جانتا ہے کہ اگر پرنالے میں پانی نہ آئے تو خاک نہ ملے اسی طرح اسباب نعم الٰہی کے پرنالے ہیں پس جو شخص اسباب میں داخل ہو مگر ہمت اللہ کے ساتھ متعلق رہے نہ کہ اسباب کے ساتھ اس کو اسباب سے کچھ ضرر نہیں اور اس پر اندیشہ دوری درگاہ نہیں اور جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور مالک اسباب سے غافل ہو اس کی مثال چوپائے کی سی ہے کہ جب مالک اس کے پاس ہو کر گذرتا ہے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور حالانکہ وہ مالک ہے اور سائیس کو اس جانور کا خرچ وہی دیدیتا ہے اور جب سائیس آتا ہے تو نظر

---

[1] ان کے یہاں بہت بڑی تجارت ہوتی تھی سب ترک کردی۔ (ملفوظ شریف)

خوشامد سے اس کو دیکھتا ہے اور شوق ظاہر کرتا ہے چونکہ اس کے ہاتھ سے کھانے کا خوگر ہے بندے کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ جب خلقت کے ہاتھ سے احسان جاری ہوا اور یہ ان ہی کی طرف سے مشاہدہ کرے اور ان سے گذر کر آئے اپنی نظر نہ ڈالے اس کی مثال چوپایہ کی سی ہے بلکہ چوپایہ کی حالت اس سے اچھی ہے جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون۔

تیئیسویں مثال

جو شخص اسباب پر کھڑا رہ جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ تک نظر پہنچاوے ان کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے کہ حمام میں گئے ایک تو کامل العقل ہے دوسرے پر حماقت غالب ہے یکایک پانی بند ہو گیا جو عاقل ہے اس کو معلوم ہے کہ اس پانی کا کوئی پیچھے سے پھیرنے والا ہے کہ پھیر رہا ہے اور کوئی چلانے والا ہے کہ چلا رہا ہے وہ اس کے پاس آئے گا تاکہ جس کو بند کر لیا اس کو چھوڑ دے یا اور جو مرضی ہو وہ کرے اور دوسرا شخص جو ہے وہ نل کے پاس آ کر کہتا ہے اے نل ہمارے لئے پانی جاری کر دے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنا پانی بند کر دیا اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو احمق ہے اور نل کچھ سن سکتا ہے یا کچھ کر سکتا ہے وہ تو ایک محل اور پانی کا راستہ ہے جو اس میں جاری کیا جاتا ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

چوبیسویں مثال

ذخیرہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے اس کو باغ میں مقرر کر دیا تاکہ اس کو بنائے سنوارے سو غلام کو اس باغ کے پھل میں سے اس قدر رکھنا جائز ہے کہ درخت لگانے کھیتی بونے میں مدد پہنچے اور جمع کر کے رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس باغ کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا مالک غنی قدرت والا ہے پس اگر بدوں اجازت مالک کے اپنے لئے جمع کر کے رکھا اور مالک پر بدگمانی کی تو خائن ہوا اور جو شخص ذخیرہ نہیں رکھتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک غلام ہے مالک کے گھر میں یا باغ میں اور جانتا ہے کہ میرا مالک مجھ کو نہ بھولے گا اور نہ مہمل چھوڑے گا بلکہ میرے لئے مال خرچ کرے گا اور اپنا احسان مجھ کو پہنچائے گا سو اپنے مالک کے باعث ذخیرہ رکھنے سے مستغنی ہو گا اور اس کی تونگری کے سبب

محتاجی کی پرواہ نہ کرے گا اور اس کے سوا کسی شیٔ پر اعتماد نہ کریگا ایسا غلام لائق اس کا ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور عطا سے اس کے کام پورے کئے جائیں۔

پچیسویں مثال

جو شخص امانت کے طور پر ذخیرہ کرے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایک غلام ہے کہ مالک کے آگے کوئی چیز اپنی نہیں سمجھتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے نہ اس کے ذخیرہ کرنے پر اعتماد کرتا ہے نہ خرچ کرنے پر اعتماد کرتا ہے بلکہ وہی بات اختیار کرتا ہے جو مالک اس کے لئے پسند کرے سو جب یہ سمجھے کہ مالک کو اس چیز کا رکھنا مقصود ہے تو مالک کے لئے رکھتا ہے نہ کہ اپنے لئے یہاں تک کہ موقع صرف کا منتظر رہتا ہے جب مالک کی مرضی خرچ کرنے کی سمجھتا ہے اس میں صرف کر دیتا ہے سو اس شخص پر رکھنے میں کچھ ملامت نہیں کیونکہ اس نے اپنے مالک کے لئے رکھا ہے اپنے لئے نہیں رکھا یہی حال ہے اہل معرفت کا اگر خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے لئے اور اگر رکھتے ہیں تو اللہ کے لئے اسی کی رضامندی طلب کرتے ہیں انفاق و امساک سے وہی مقصود ہے پس یہ لوگ امین تحویلدار اور بڑے مرتبے کے غلام اور کریم آزاد ہیں حق تعالیٰ نے ان کو غلامی مخلوق سے آزاد فرمایا ہے پس انہوں نے مخلوق کی طرف محبت سے میلان نہیں کیا نہ مودت سے متوجہ ہوئے ان کے دلوں میں جو اللہ کے محبت و مودت بس گئی اور ان کے سینوں میں اس کی عظمت بھر گئی وہ اس سے مانع ہوئی اور جو اللہ کے لئے رکھے وہ کسی طرح رتبے میں اس شخص سے کم نہیں جو اللہ کے لئے خرچ کرے ان کے ہاتھ میں اشیاء کا وہی حال ہے جیسا ان کے پاس پہنچنے سے پہلے خزائن الٰہی میں حال تھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہماری ملک کا مالک ہے اور جو اللہ کے لئے اچھی طرح رکھنا نہیں جانتا وہ اللہ کے لئے اچھی طرح خرچ کرنا بھی نہیں جانتا خوب سمجھ لو فصل اس میں ہم اس مضمون کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ہاتفان حقائق کی زبانی مقدمہ رزق و تدبیر میں خطاب فرماتا ہے۔

(ف) یعنی حقائق زبان حال سے منجانب حق تعالیٰ کے بندے سے کہہ رہے ہیں۔

خطاب اول

اے بندے اپنے کان کو حضور دل سے میری جانب متوجہ کر میری جانب سے تجھ کو

زیادہ نعمت ملے گی اور اپنے گوش دل کو ادھر جھکا میں تجھ سے دور نہیں ہوں[1]۔

خطاب-۲

اے بندے میں تیری تدبیر میں اس وقت تھا کہ تو اپنا بھی نہ تھا سو اپنا اس طرح بن کہ اپنا نہ رہے اور میں نے تیری ظہور سے پہلے تیری رعایت کی اور اب بھی رعایت میں ہوں۔

خطاب-۳

اے بندے میں ایجاد و تصویر میں یکتا ہوں میں حکم و تدبیر میں یگانہ ہوں تو خلق و تصویر میں میرا شریک نہ ہو سو میرے حکم و تدبیر میں بھی شریک مت ہو میں اپنے ملک کا مدبر ہوں اور میرا کوئی پشتیبان نہیں میں اپنے حکم میں اکیلا ہوں کسی وزیر کا محتاج نہیں۔

خطاب-۴

اے بندے جو شخص ایجاد سے پہلے تیری تدبیر میں ہو اس سے مراد میں نزاع مت کر اور جس نے خوبی شفقت کا خوگر کر رکھا ہو۔ اس کا مقابلہ عناد سے مت کر۔

خطاب-۵

اے بندے میں نے تجھ کو اپنی خوبی شفقت کا خوگر کیا ہے تو بھی میرے آگے تدبیر کو ترک کر دے[2]۔

خطاب-۶

اے بندے کیا تجربہ کے بعد شک ہے اور بیان کے بعد حیرت ہے اور ظہور ہدایت کے بعد گمراہی ہے کیا یہ اعتقاد بھی تجھ کو میرے حوالے نہیں کرتا کہ میرے سوا کوئی مدبر نہیں کیا میری خیر سابق بھی تجھ کو میرے ساتھ منازعت کرنے سے برکنار نہیں کرتی۔

خطاب-۷

اے بندے میری کائنات کے ساتھ اپنی نسبت کر کے دیکھ معلوم ہوگا کہ تو مخلوق فانی کے روبرو بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور خالق جو فانی نہیں اس کے ساتھ کیا نسبت سمجھتا ہے اور تو میرے انتظام سلطنت کو تسلیم کر چکا ہے اور تو بھی میرے سلطنت میں داخل ہے سو میری ربوبیت

---

[1] مگر چشم حقیقت میں درکار ہے قال العارف الرومیؒ

[2] بادہ ہیں چشمے بود نوع دگر　　چشم خاکی را بجاک افتد نظر　(ملفوظ شریف)

میں نزاع مت کر اور میرے آگے اپنی تدبیر چلا کر میری الوہیت سے مخالفت مت کر۔

خطاب-۸

کیا تجھ کو یہ بات کافی نہیں کہ میں تجھ کو کافی ہوں کیا تجھ کو مجھ پر اس سے بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ میرے سابق احسان تیرے ساتھ کتنے ہو چکے ہیں۔

خطاب-۹

میں نے تجھ کو تیرا محتاج کب بنایا ہے کہ اب تو اپنے حوالے کر دیا جائے گا اور میں نے اپنے ملک کی کوئی چیز کسی غیر کے کب سپرد کی ہے جس کو تیرے سپرد کر دوں گا۔

خطاب-۱۰

اے بندے میں نے تجھ کو اپنے وجود کا مظہر بھی نہ بنایا تھا اس وقت اپنے کرم کو تیرے ساتھ مہیا کیا تھا اور میں ہر شئے میں اپنی قدرت سے ظاہر ہوں تجھ کو میرا انکار کرنا کیسے ممکن ہے۔

خطاب-۱۱

اے بندے میں جس کا مدبر بنا اور اس کو کب ٹوٹا ہوا اور جس کا میں حامی ہوا وہ کب بے ساتھی رہا۔

خطاب-۱۲

اے بندے تو قسمت کی جستجو چھوڑ کر میری خدمت میں لگا رہ اور ربوبیت پر بدگمانی سے باز آ کر میرے ساتھ نیک گمان رکھ۔

خطاب-۱۳

اے بندے یہ سزاوار نہیں کہ محسن پر بدگمانی کی جائے یا قدرت والے سے منازعت کی جائے یا حکمت والے کے حکم پر اعتراض کیا جائے یا لطف کرنے والے کے سامنے غم پالا جائے۔

خطاب-۱۴

اے بندے وہ شخص مراد کو پہنچا جو میرے سامنے اپنے ارادے سے علیحدہ ہوا اور آسانی کی راہ بتلایا گیا جس نے مجھ پر حوالہ کیا اور اس کو خزانہ غنا مل گیا جو سچے طور سے میری طرف حاجت لایا اور میری حمایت کا مستحق ہو گیا جس نے میرے ساتھ جنبش کی جب کبھی

جنبش کی اور بڑی مضبوط رسی پکڑی جس نے میری رسی پکڑی میں نے بذات خود قسم کھائی کہ اہل تدبیر کو یہ بدلا دوں گا کہ ہمیشہ مکدرر ہیں اور جو بنائیں اسکو گرادوں جو باندھیں اس کو کھول دوں اور ان کو ان ہی کے حوالے اور سپرد کر دوں ان کو راحت رضا اور نعمت تفویض نصیب نہ ہو سو اگر ان کو میری طرف کی سمجھ ہوتی تو میری تدبیر جو ان کے لئے ہے اس پر قناعت کر کے اپنے لئے تدبیر نہ کر دے اور میں جو ان کی نگہداشت کرتا ہوں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے نگہداشت نہ کرتے اس وقت میں ان کو رضا کی راہ چلاتا اور ہدایت کا راستہ بتلاتا اور روشن طریق میں ان کو دوڑاتا اور اپنی عنایت کو تمام خوف کی چیزوں سے ان کیلئے سپر و نگہبان بنادیتا اور تمام امید کی چیزیں حاصل کر دیتا اور یہ مجھ کو آسان ہے۔

خطاب-۱۵

اے بندے ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو چاہ اور ہمارے آگے اور کسی چیز کا اراہ مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات تجویز کرتے ہیں کہ ہم کو اختیار کر اور ہمارے آگے اور کسی کو اختیار مت کر اور ہم تیرے لئے یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہم کو پسند کر اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تو غیروں کو پسند کرے۔

خطاب-۱۶

اے بندے اگر میں تجھ کو جتادوں سو اس وجہ سے کہ اپنا فضل تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اور اگر تجھ کو ہرادوں تو اس وجہ سے کہ اپنے قضا میں تیرے پاس اپنے اسرار لطف بھیجنا چاہتا ہوں۔

خطاب-۱۷

اے بندے جو کچھ میں نے اپنی نعمت تیرے اندر ظاہر فرمائی اس کا یہ بدلہ مت کر کہ مجھ سے منازعت کرنے لگے اور میں نے تجھ پر عقل دے کر احسان کیا جس سے تجھ کو اوروں سے ممتاز کیا اس کا عوض یہ مت کر کہ مجھ سے مخالفت کرے۔

خطاب-۱۸

اے بندے جیسا زمین و آسمان میں میری تدبیر کرنا اور حکم و قضا میں یکتا ہونا تو نے

تسلیم کرلیا ہے اسی طرح اپنا میرے ملک میں ہونا بھی تسلیم کرلے کیونکہ تو میرے ملک میں ہے اور میرے سامنے تدبیر مت کر کیونکہ تو میرے ساتھ معیت رکھتا ہے اور مجھ کو کارساز سمجھ اور میرے کفیل ہونے پر وثوق کر تجھ کو عطائے کثیر اور فخر کبیر دوں گا۔

خطاب-۱۹

اے بندے میں ازل میں حکم کر چکا ہوں کہ میرے بندے کے دل میں نور تسلیم اور ظلمت منازعت جمع نہ ہوں گے جب ایک ہوگا دوسرا نہ ہوگا اب اپنے لئے جو چاہئے پسند کر لے کم بختی مارے ہم نے تو تیرا مرتبہ اس سے بڑا بنایا ہے کہ تو اپنے ذاتی کام میں لگے سوا پنی قدر مت گھٹا اے وہ شخص جس کو ہم نے بلند قدر کیا اور میرے غیر پر حوالہ کر کے ذلیل مت ہو اے وہ شخص جس کو ہم نے معزز کیا کم بختی مارے تو ہمارے نزدیک اس سے بلند قدر ہے کہ غیروں کے ساتھ مشغول ہو میں نے تجھ کو اپنی ہی درگاہ کے لئے پیدا کیا اور اسی کی طرف بلایا اور اپنے جذبات عنایت سے تجھ کو کھینچا اگر اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا تجھ کو محجوب کر دوں گا اور اگر اس کی خواہش کا اتباع کیا تجھ کو نکال دوں گا اور اگر نفس سے جدا ہوا تجھ کو مقرب بنالوں گا اور اگر ماسوا سے اعراض کر کے مجھ سے محبت کی تجھ کو قبول کرلوں گا۔

خطاب-۲۰

اے بندے اگر تو کفایت اور ہدایت چاہے تو کیا یہ امر کافی وہادی نہیں ہے کہ میں وہ ہوں کہ میں نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور صدقہ دیا پھر عطا دی میرے احکام میں منازعت کرنی اور میرے افعال میں معارضہ کرنے سے کیا یہ امر مانع نہیں ہوسکتا۔

خطاب-۲۱

مجھ پر ایمان نہیں رکھتا جو مجھ سے منازعت کرتا ہے مجھ کو واحد نہیں سمجھتا جو میرے آگے تدبیر کرتا ہے وہ مجھ سے خوش نہیں جو میری نازل کی ہوئی بلا پر اوروں سے شکایت کرتا ہے اور اس شخص نے مجھ کو اختیار نہیں کیا جس نے میرے سامنے اختیار رکھا اور میرا حکم بجا نہیں لایا جس شخص نے میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائی اور مجھ کو نہیں پہچانا جس نے اپنا

کام میرے سپرد نہیں کر دیا اور مجھ سے ناواقف رہا جس نے مجھ پر توکل نہیں کیا۔

خطاب-۲۲

اے بندے تیری بھی جہالت بہت ہے کہ اپنے قبضے کی چیز پر تو دل کو قرار ہو اور میرے قبضے کی چیز پر قرار نہ ہو اور میں تو تیرے لئے یہ بات پسند کروں کہ تو مجھ کو اختیار کرے اور تو میرے مقابلے میں اوروں کو اختیار کرتا پھرے کمبختی مارے عبودیت اور اختیار جمع نہیں ہوتے نہ تاریکی اور انوار نہ یہ بات کہ میری طرف بھی متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف بھی سو یا تو میں تیرا رہوں گا یا تو اپنا رہے گا سو خوب سمجھ کر ایک بات اختیار کر لے اور ہدایت کے عوض زیاں مت لے۔

خطاب-۲۳

اے بندے خود اگر مجھ سے اپنے لئے تدبیر کو طلب کرے تو تیرا جہل ہے اور تو اپنی تدبیر کرے اس کا تو کیا ذکر اور اگر میرے آگے کسی چیز کو اختیار کرے تو تیری بے انصافی ہے چہ جائے کہ مجھ کو چھوڑ کر کسی کو اختیار کرے۔

خطاب-۲۴

اے بندے اگر میں تدبیر کی اجازت بھی دے دیتا تب بھی تجھ کو لازم تھا کہ تدبیر کرتا ہوا شرماتا چہ جائے کہ تجھ کو یہ حکم کر چکا ہوں کہ تدبیر مت کر، اے وہ شخص جو اپنے نفس کی فکر میں لگا ہے اگر تو اس کو ہمارے حوالے کر دیتا تو آرام پاتا کمبختی کے مارے تدبیر کے بوجھ بجز ربوبیت کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا بشریت کو اس کی قوت نہیں کمبختی مارے تجھ کو تو کوئی اور اٹھا رہا ہے تو کیوں بوجھ اٹھاتا ہے ہم کو تیری راحت منظور ہے تو اپنا جان کو مشقت میں مت ڈال پیٹ کے اندھیرے میں تیری کس نے تدبیر کی تھی بعد موجود ہونے کے جو تو نے چاہا تجھ کو دے دیا تجھ کو زیبا نہیں کہ اب وہ جو چاہتا اس میں منازعت کرے۔

خطاب-۲۵

اے بندے تجھ کو میں نے اپنی خدمت کا حکم دیا اور اپنے رزق کا تیرے لئے ذمہ دار ہوا تو نے میرا حکم مہمل چھوڑا اور جس چیز کی ذمہ داری کی تھی اس میں شک کیا اور میں نے

صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا اس پر قسم بھی کھائی پھر قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا اس کی مثال بھی بیان کی اور سمجھ دار بندوں کو خطاب کیا پس کہا میں نے وفی السمآء رزقکم وما توعدون فورب السمآء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون.

(ف) اس آیت میں ہے ذمہ داری اور قسم اور مثال جیسا اوپر گذر چکا۔

اور عارفین نے میرے اوصاف پر اکتفا کیا اور اہل یقین نے میرے کرم پر حوالہ کیا سواگر میرا وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی وہ یقین کرتے کہ میں ان سے اپنی واردات عطاء کو بند نہ کروں گا اور اگر میری ضمانت بھی نہ ہوتی تو میری صفت احسان پر وہ لوگ وثوق کر لیتے اور میں ان لوگوں کو رزق دیتا ہوں جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں تو ان کو کیسے رزق نہ دوں گا جو میری اطاعت اور رعایت کرتے ہیں ارے کمبختی مارے جو درخت کو بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے اور خلقت کا مدد کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور مخلوق کے لئے یہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور پاداش دینے والا ہے مجھ سے ایجاد ہوا میرے ذمے دوام امداد بھی ہے مجھ سے تخلیق ہوئی میرے ہی ذمے ہمیشہ رزق دینا بھی ہے ارے کمبختی مارے تو اپنے گھر میں کسی کی بھی دعوت کرتا ہے سوائے اس کے جس کو کھانا کھلانا منظور ہو اور کسی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے سوائے اس کے جس کی خاطر منظور ہو۔

خطاب-۲۶

اے بندے تو بجائے فکر رزق کے ہماری فکر رکھ کیونکہ جو چیز میں اپنے ذمے لے چکا ہوں تو اس میں کیوں تعصب اٹھاتا ہے اور جس چیز کو تو اپنے ذمے لے چکا ہے یعنی عبادت تو اس کا ہورہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تجھ کو اپنے گھر میں لائیں اور اپنے احسانوں سے محروم رکھیں تجھ کو وجود میں ظاہر کریں اور تیری مدد نہ کریں تجھ کو ہستی کی طرف لائیں اور اپنا کرم نہ کریں کیا اپنا حق تو تجھ سے طلب کروں گا اور اپنا رزق تجھ کو نہ دوں گا کیا تجھ سے خدمت چاہوں گا اور حصہ نہ دوں گا ارے کمبختی مارے میرے پاس تیرے لئے طرح طرح کی بخششیں ہیں اور تجھ کو اپنا مظہر رحمت بنایا اور میں نے تیرے لئے صرف دنیا پر بس نہیں کیا یہاں تک کہ جنت کو ذخیرہ کر کے رکھا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنے دیدار سے تحفہ دیا پس ہر گاہ میرے یہ افعال ہیں پھر میرے افضال میں کیسے شک کرتا ہے۔

خطاب-۲۷

اے بندے میری نعمت کا کوئی لینے والا اور میرے فضل کا کوئی قابل ضرور چاہئے اور میں اس سے غنی ہوں کہ منافع سے نفع حاصل کروں اس پر دلیل قطعی قائم ہے سو اگر تو مجھ سے یہ بھی درخواست کرے کہ تجھ کو اپنا رزق نہ دوں تب بھی تیری بات نہ مانوں اگر تو مجھ سے یہ دعاء کرے کہ تجھ کو اپنے فضل سے محروم کروں تب بھی محروم نہ کروں اور اس وقت تو کیوں کر محروم کر دوں گا کہ ہمیشہ تو مانگا کرتا ہے اور اکثر اوقات طلب کیا کرتا ہے سو مجھ سے اب حیا کر اگر ابھی تک حیا نہ کرتا تھا اور میری طرف کی بات سمجھ اس کو سب کچھ ملا جو میری طرف کی بات سمجھا۔

خطاب-۲۸

اے بندے مجھ کو اختیار کر اور مجھ کو چھوڑ کر اور کسی کو مت اختیار کر اور اپنے دل کو صدق سے میری طرف متوجہ کر اگر تو ایسا کرے گا تو تجھ کو غرائب لطف اور عجائب کرم دکھلاؤں گا اور تیرے باطن کو اپنے مشاہدہ سے متمتع کروں گا میں نے اہل تحقیق کے لئے راستہ ظاہر کر دیا ہے اور صاحبان توفیق کے لئے نشان ہدایت کے واضح کر دیئے ہیں سو اہل یقین نے تحقیق کے ساتھ میری طرف تسلیم کیا ہے اور اہل ایمان نے دلیل کے ساتھ مجھ پر توکل کیا ہے انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میں ان کے لئے اس سے بہتر ہوں کہ وہ اپنے لئے ہوں اور میری تدبیر ان کے لئے زیادہ کار آمد ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے لئے تدبیر کریں پس انہوں نے گردن جھکا کر میری ربوبیت کو مان لیا اور اپنے کو میرے سامنے تفویض کر کے ڈال دیا میں نے اس کے عوض ان کی جانوں میں راحت دی اور عقلوں میں نور اور قلوب میں معرفت اور باطن میں یقین قرب یہ تو اس دنیا میں ہوا اور جب میرے پاس آویں گے اس وقت ان کے منصب کو بڑا کروں گا ان کا مرتبہ بلند کروں گا اور بزرگی کے جھنڈے ان پر کھول دوں گا اور جب ان کو اپنے گھر میں داخل کروں گا تو ان کے لئے ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھی اور کان نے سنی نہ کسی بشر کے قلب پر گذری۔

خطاب-۲۹

اے بندے جو وقت آگے آتا ہے میں نے اس میں تجھ سے خدمت طلب نہیں کی تو

مجھ سے اس وقت کی روزی کیسے مانگتا ہے جب میں تجھ کو عبادت کی تکلیف دوں گا تو رزق کا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور جب تجھ سے خدمت طلب کروں گا تو کھانا بھی کھلاؤں گا اور یقین کر میں تجھ کو نہ بھولوں گا اگرچہ تو مجھ کو بھلا دے اور میں تجھ کو یاد کرتا ہوں قبل اس کے کہ تو مجھ کو یاد کرے اور میرا رزق تجھ پر جاری رہے گا اگرچہ تو میری نافرمانی کرے میں حالت اعراض میں جب تجھ سے ایسا ہوں سو اگر میری طرف تو متوجہ ہو اس وقت مجھ کو اپنے ساتھ کس طرح سمجھتا ہے تو نے میری قدر کما حقہ نہیں پہچانی اگر میرے قہر کے آگے گردن نہ جھکائے اور میرے احسان کی تو نے رعایت نہیں کی اگر میرا حکم نہ بجالایا سو مجھ سے اعراض مت کر تجھے ایسا کوئی نہ ملے گا جو میرا بدل ہو سکے کسی سے مل کر مجھ سے بے پروائی مت کر کوئی مجھ سے تجھ کو بے نیاز نہیں کر سکتا میں اپنی قدرت سے تیرا پیدا کرنے والا ہوں میں اپنی نعمت تجھ پر فراخ کرنے والا ہوں سو جیسا کوئی میرے سوا خالق نہیں ایسا بھی میرے سوا کوئی رازق ہیں کیا پیدا خود کروں گا اور غیروں پر ٹال دوں گا اور میں بڑے فضل والا ہوں اور بندوں کو غیروں سے روکتا ہوں سوائے بندے مجھ پر وثوق کر میں رب العالمین ہوں اور میرے آگے اپنی مراد سے علیحدہ ہو جا میں تجھ کو عین مراد کو پہنچا دوں گا اور میرے الطاف سابقہ یاد کر اور حق محبت مت بھلا۔

(ف) اس کے بعد مصنف کہتے ہیں۔

ہم کو منظور ہوا کہ اس کتاب کو ایسی دعاء پر ختم کریں جو اس مضمون کے مناسب ہو جس کے لئے یہ کتاب بنائی گئی ہے اور وہ دعاء یہ ہے یا الٰہی ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ محمد اور آل محمد پر رحمت بھیج جیسا تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر اہل عالم رحمت بھیجی بیشک تو محمود ہے بزرگ ہے یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو تیری اطاعت کرنے والے ہیں تیرے آگے خدمت میں کھڑے ہونے والے ہیں اور ہم کو اس سے علیحدہ کر کہ تیرے آگے یا تیرے مقابلے میں تدبیر کریں اور ہم کو اہل تفویض سے کر دے یا الٰہی تو ہمارا اس وقت تھا کہ ہم بھی اپنے نہ تھے پس ہمارے ہونے کے بعد بھی ہمارا اسی طرح بنا رہ جیسا ہمارے ہونے سے پہلے تھا اور ہم کو اپنے لطف کی خلعت پہنا اور اپنی عنایت و مہربانی سے ہم پر متوجہ ہو اور تدبیر کے اندھیرے ہمارے دلوں سے نکال اور ہمارے باطن میں نور تفویض کو روشن کر اور اپنا

حسن اختیار ہم کو مشاہدہ کرا دے یہاں تک کہ جس چیز کا تو ہمارے لئے حکم فرما دے اور پسند کرے وہ ہم کو اس سے زیادہ پیاری ہو جائے جس کو ہم اپنے لئے پسند کریں یا الٰہی جس چیز کی تو نے ہمارے لئے ذمہ داری کی ہے اس میں ہم کو مت لگا کہ تیرے حکم سے غافل ہو جائیں یا الٰہی تو نے ہم کو اپنی اطاعت اور دوام خدمت کے لئے بلایا اور ہم کو یہ طاقت نہیں کہ مگر ہاں اگر تو قدرت دیدے اور ہماری یہ ہمت نہیں مگر ہاں اگر تو قوت دیدے اور جب تک کہ تو ہم کو کسی حالت میں نہ کر دے ہم اس حالت میں کہاں ہو سکتے ہیں اور جب تک تو نہ پہنچائے ہم کسی مطلب کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور جب تک کہ تو ہماری اعانت نہ کرے ہم کو کسی شے کی قدرت کہاں ہے سو ہم کو اپنے حکم بجالانے کی توفیق دے اور منہیات سے بچنے پر مدد فرما، یا الٰہی ہم کو روضۂ تفویض اور جنت تسلیم میں داخل فرما اور ہم کو اس جنت میں چین سے رکھ اور ہمارے باطن اپنے ساتھ مشغول رکھ کہ اس کی نعمت ولذت کے ساتھ اور ہم کو اپنی لذت دے نہ اس کی زینت و رونق کی یا الٰہی ہم پر اپنی فرماں برداری اور توجہ کے ایسے انوار روشن فرما جس سے ہمارے باطن پر رونق اور ہمارے انوار کامل ہو جائیں یا الٰہی تو نے سب چیزوں کے ہونے سے پہلے ان کی تدبیر فرمائی اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہوگا جو چاہے گا اور اس یقین سے ہم کو جب ہی فائدہ ہوگا کہ تو چاہے گا سو ہم کو اپنی خیر دے کر رخصت کرا اور اپنے فضل سے ہماری شان بلند کرے اور اپنی عنایت سے ہماری طرف قصد فرما اور اپنی رعایت سے ہم کو گھیر لے اور اپنے اہل ولایت کے خلعت ہم کو پہنا اور اپنی حمایت میں ہم کو داخل فرما بیشک تجھ کو ہر شے پر قدرت ہے یا الٰہی ہم جانتے ہیں کہ تیرے حکم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور تیری قضا کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور ہم تیری قضا کے ہٹانے سے اور تیرے حکم کے ٹال دینے سے عاجز ہیں سو ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی قضا میں لطف فرما اور حکم میں تائید فرما اور ہم کو اس باب میں ان لوگوں میں سے کر دے جن کی تو رعایت فرماتا ہے اے رب العالمین یا الٰہی تو ہمارا حصہ لگا چکا ہے جس کو ہمارے پاس پہنچائے گا سو اس کو ہمارے پاس خوشگواری اور بے مشقتی کے ساتھ پہنچائے گا کہ حجاب سے محفوظ رہیں انوار وصل ہم کو گھیرے ہوں اس کو تیری جانب سے دیکھیں تاکہ شکر کریں اور اس کو تیری طرف منسوب کریں اور عالم میں سے کسی طرف نسبت نہ کریں یا الٰہی تمام رزق تیرے ہاتھ ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی ہم کو دونوں میں سے اس قدر عنایت فرما جس میں تو ہماری مصلحت ومنفعت جانے اور یا الٰہی ہم کو ان

لوگوں میں سے کر کہ جنہوں نے تجھ کو اختیار کر لیا ہے اور ان لوگوں میں سے مت کر جو تجھ کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر جو تیری طرف تفویض کرنے والے ہیں ان لوگوں میں مت کر جو تجھ پر اعتراض کر رہے ہیں یا الٰہی ہم تیرے محتاج ہیں تو ہم کو عطا فرما اور ہم طاعت سے عاجز ہیں ہم کو قدرت دے اور ہم کو اپنی طاعت کی ہمت دے اور اپنی نافرمانی سے عاجز کر دے اور اپنی ربوبیت کے آگے گردن جھکانا نصیب کر اور اپنے احکام الوہیت پر پابندی عنایت فرما اور اپنی طرف نسبت کئے جانے کی عزت بخش اور توکل کی راحت روزی کر اور ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو رضا کے میدان میں جاتے ہیں اور تسنیم تسلیم سے منہ لگا کر پیتے ہیں اور معارف کے پھل چنتے ہیں اور خلعت خصوصیت پہنائے گئے ہیں اور قرب کے تحفے اور دربار عشق کے عطیات دیئے گئے ہیں جو ہمیشہ تیری خدمت میں رہتے ہیں تیری معرفت کا یقین رکھتے ہیں تیرے رسول کے متبع ان کے وارث ہیں ان سے فیض لیتے ہیں ان ہی کے ہو رہے ہیں ان کی نیابت کو بجالاتے ہیں اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمایا رب العالمین ختم ہوئی دعا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما۔ (فقط)

خاتمہ ترجمہ مع قطعتین تاریخ مترجم

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۲۱ محرم الحرام روز سہ شنبہ وقت ظہر ۱۳۱۲ ہجری مقام مکہ معظمہ میں رسالہ اکسیر ترجمہ تنویر اتمام کو پہنچا دو قطعہ تاریخ ایک فارسی دوسرا اردو نذر ناظرین باتمکین ہے۔

بالفارسیۃ

چوں بامداد الٰہی وفیض او ختم شد ایں نسخہ بر طرز نکو
گفت دل چوں جستم از وے سال ختم مبحث تقدیر ازلی خوش بگو

بالھندیہ

جب بامداد فضل رب قدیر ہوا تیار نسخہ اکسیر
سر بیدین اڑا کے ہاتف نے لکھی تاریخ ترجمہ تنویر

تمام شد

نظم مناجات خاتمہ کتاب

از مولانا سید حمزہ صاحب دہلوی حسب ارشاد حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد مولانا الحافظ الحاج الشیخ الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضوعفت برکاتہم برائے سہولت حفظ اہل ذوق وشوق کہ بوقت مناجات آں را تکرار کنند وحفظ گیرند:

اے خدائے قابل حمد و سپاس   تجھ سے اب یہ ہے ہماری التماس
بھیج تو رحمت شہ لولاک پر   بعد ان کے ان کی آل پاک پر
جس طرح بھیجی ہے ابراہیم پر   اور ان کی آل با تکریم پر
شک نہیں اس میں کہ تو محمود ہے   سب سے اعلیٰ یعنی تو معبود ہے
یا الٰہی ہم کو ان لوگوں میں کر   جو اطاعت سے تری ہیں بہرہ ور
تیری خدمت کے لئے استادہ ہیں   تیری طاعت کے لئے آمادہ ہیں
دے ہمیں تفویض کا اعلیٰ مقام   تاکہ ہم تدبیر سے رکھیں نہ کام
یا الٰہی جب کہ ہم معدوم تھے   تیرے افضال وکرم قیوم تھے
اب جو ہم موجود دنیا میں ہوئے   اب بھی وہی فضل کا سایہ رہے
اے خدا پہنا دے خلعت لطف کا   کر عنایت کی نظر ہم پر ذرا
ظلمت تدبیر قلبوں سے نکال   نور بھر تفویض کا اے ذوالجلال
اے خدا اے حاکم حکمت شعار   ہم کو دکھلا اپنا حسن اختیار
تاکہ ہو تیرے پسندیدہ سے کار   ہو پسند اپنی نظر میں اپنی خوار
تو نے ہے جس چیز کا ٹھیکہ لیا   اس میں یا رب ہم کو اپنا مت لگا
جو تیرے احکام میں غفلت کریں   تیرے ذمہ کی نہ کچھ وقعت کریں
یا الٰہی حکم ہے تیرا ہمیں   دائما تیری اطاعت میں رہیں
لیک ہم کو اس قدر طاعت نہیں   بازوئے ہمت میں کچھ ہمت نہیں
پر سہارا دے تیری توفیق گر   قوت و ہمت ہو میری پیشتر
جب تلک تو دے نہ ہم کو کوئی حال   ہم کو ہو اس حال کی کیسے مجال
تو نہ جب تک ہم کو پہنچائے بھلا   ہم در مقصود تک پہنچیں گے کیا
تو ہماری جب اعانت میں نہ ہو   کوئی بھی شے اپنی قدرت میں نہ ہو
پس الٰہی ہم کو یہ توفیق دے   ہو تعلق حکم کی تعمیل سے
اور منہیات سے یا رب بچا   روضہ فردوس کی سیریں دکھا
اور اس جنت میں رکھ اطاعت کے ساتھ   اور دل مشغول رکھ راحت کے ساتھ
نے تعلق ہم کو ہو لذت کے ساتھ   نے علاقہ کچھ رہے نعمت کے ساتھ
اپنی لذت یا رب ہم کو تو چکھا   دے نہ اس کی زینت و رونق مزا
نور طاعت اور اطاعت کا دکھا   اور دلوں کو اس سے پر رونق بنا
تاکہ ہو انوار کو اپنے کمال!   یعنی حاصل ہو ہمیں قرب و وصال
جب کہ تھی ہر چیز بے نام وجود   نام کو بھی وہ نہ رکھتی تھی وجود
تو نے کی تدبیر اس کے واسطے!   فائدے ان کے مہیا کر دیئے
ہے یقین ہم کو جو مرضی ہے تری   پیش سب کو آنے والا ہے وہی

اس یقین کا فائدہ بھی جب ملے
جب نظر اس پر پڑی خواہش کرے

ہم کو اپنی خیر پر فائز بنا
اور اپنے فضل سے رتبہ بڑھا

کر عنایت اپنی تو ہم پر بسیط
کر رعایت اپنی تو ہم پر محیط

ہم کو پہنا خلعت اہل ولا
اور دے اپنی حمایت میں بھی جا

تجھ کو ہے ہر شے پہ قدرت بے گماں
تجھ کو ہے ہر شے پہ قوت بے گماں

ہو مقابل کون تیرے حکم کا
با لیقین ممکن نہیں ضد قضا

ہم سے ہو سکتی نہیں رد قضا
ہم سے ٹل سکتا نہیں جو ہو چکا

التجا ہے اس لئے اے ذوالمنن
لطف کر اپنی قضا میں بے محن

حکم میں اپنی مدد کر پروردگارا
اپنے ان لوگوں میں کر پروردگار

جن کی کرتی ہے رعایت ہی تجھے
یعنی کرنی ہے عنایت ہی تجھے

تو نے قسمت میں لکھا ہے جو اللہ
وہ ہمیں پہنچائے گا بے اشتباہ

اس کو اچھی طرح پہنچا اے خدا
ہو مشقت کا نہ ہم کو سامنا

تا حفاظت ہم کو دوری سے رہے
روشنی نور حضوری سے رہے

اس کو تیری طرف سے جانیں مگر
شاکروں میں تا کہ ہو اپنا مقر

اس کی نسبت تیری ہی جانب کریں
دوسرے کو اس سے نسبت ہی نہ دیں

یا الٰہی روزی دنیا ودیں!
ہے تمامی پاس تیرے بالیقیں

بس ہمیں تو اس قدر دے مائدہ
جس قدر سمجھے ہمارا فائدہ

ہم کو ان لوگوں میں کر اے کردگار
کر لیا تجھ کو جنہوں نے اختیار

ہم کو ان لوگوں میں مت کر اے خدا
دوسرے کے ہو گئے جو بے وفا

ان میں جو تفویض کے ہیں معترض
کر نہ ان میں جو ہیں تجھ پر معترض

ہیں تیرے محتاج دے حاجت ہمیں
عاجز طاعت ہیں دے قدرت ہمیں

ہمت طاعت ہمیں دے اے کریم
معصیت میں عاجزی مستدیم

وہ ہمیں توفیق دے یار خدا
دیں ربوبیت کے آگے سر جھکا

پھر الوہیت کے سب احکام پر
استقامت سے رہیں بستہ کمر

ذات والا سے ہمیں دے انتساب
تا کہ عزت سے بنیں ہم بہرہ یاب

دے توکل سے ہمارے دل کو چین
اور گر اس میں خدائے مشرقین

جن کو تسلیم ورضا دونوں مقام
ہو گئے حاصل علیٰ وجہ التمام

اور عرفان میں تیرے کامل ہوئے
خاص لوگوں میں تیرے داخل ہوئے

قرب سے تیرے ہوئے جو بہرہ ور
چکھ چکے جو عشق کا اپنے ثمر

جو ہمیشہ تیرے ہیں خدمت گزار
ہیں یقین معرفت سے کامگار

جو کہ پیرو ہیں رسول پاکؐ کے
اور وارث ہیں شہ لولاک کے

فیض سے ان کے سدا ہیں بہرہ یاب
صرف ان سے رکھتے ہیں وہ انتساب

حق نیابت کا ادا کرتے ہیں وہ
حق وراثت کا ادا کرتے ہیں وہ

کر میسر ہم کو حسن خاتما!
ہے دعاء کا بھی یہ حسن انتہا

بھیج آقا پر ہمارے تو مدام
کاملہ رحمت خدا یا اور سلام

ہے محمد جن کا نام مفتخر!
اور ان کی آلؑ اور اصحاب پر

ناظم و قاری کے حق میں اے خدا
کیجیو مقبول یہ ساری دعاء

علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ جیسے اکابر علماء کی دیرینہ خواہش کی تکمیل
جو نہ جانے کتنے علماء اور کتنے بزرگوں کی خواہش کی تکمیل اور کتنے اہل ذوق کے خوابوں کی تعبیر ہے

اشرف التفاسیر
کامل 4 جلد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
کے سینکڑوں مواعظ ملفوظات وخطبات سے الہامی تفسیری نکات کا مجموعہ

تقدیم وکاوش: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نظر ثانی: عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب رحمہ اللہ

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہم مقدمہ میں فرماتے ہیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے تدبر قرآن کا شاہکار درحقیقت وہ تفسیری نکات ہیں جو آپ نے اپنے مواعظ وملفوظات میں یا کسی اور سلسلہ کلام کے ضمن میں بیان فرمائے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی وعظ یا کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کریم کی کوئی آیت آپ کے قلب پر وارد ہوتی ہے اور آپ اس کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے عجیب وغریب مسائل مستنبط فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کے نظم واسلوب کی بے مثال توجیہات بیان فرماتے ہیں فوائد وقیود کی دلنشیں تشریح فرماتے ہیں۔ مختلف آیات قرآنی کے درمیان الفاظ پر تعبیر کا جو فرق ہے اس کی حکمتیں ظاہر فرماتے ہیں اور بیشتر مواقع پر انسان ان تفسیری نکات کو پڑھ کر بیساختہ پھڑک اٹھتا ہے اور واقعتہً یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نکات منجانب اللہ حضرتؒ کے قلب پر وارد فرمائے گئے ہیں۔ مواعظ وملفوظات میں بکھرے ہوئے ان تفسیری نکات کی یہ اہمیت وندرت ہر اس باذوق شخص نے محسوس کی ہے جس نے اہتمام سے ان مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کیا ہو۔ اب حضرت حکیم الامت کے تفسیری جواہر کا یہ عظیم مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔

ہر قسم کی اسلامی کتب کیلئے

ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان
فون 540513-519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk